آدھی زندگی
انوار علیگی

آدھی زندگی

ان کی گاڑی کافی دیر سے' اس سجی سجائی کار کے تعاقب میں تھی اور انہیں کچھ معلوم نہ تھا کہ کون ان کے تعاقب میں ہے۔

سجی سجائی کار میں تیز تیز میوزک بج رہا تھا۔ شادی بیاہ کے گیتوں کا کیسٹ لگا ہوا تھا۔ اس تیز موسیقی کی لہروں میں ہر شخص بہا جا رہا تھا۔ کار سپیڈ میں جا رہی تھی۔ دلہا کا دوست اکبر گاڑی چلا رہا تھا۔ یہ کار اسی کی تھی۔ اکبر کے برابر دلہا کا چھوٹا بھائی مجید بیٹھا تھا۔ کار کی کی پچھلی سیٹ پر دلہا روشن' دلہن لبنیٰ اور دلہن کی ممانی بیٹھی تھیں۔

ان گانوں سے ممانی کو بڑی الجھن ہو رہی تھی۔ پچھلے پانچ چار دنوں میں شادی بیاہ کے گیت اس تواتر سے سنے جا رہے تھے کہ اب یہ گیت کانوں میں پگھلے سیسے کی طرح گھس رہے تھے۔ ان کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ دلہا کے بھائی سے کہہ کر یہ کیسٹ نکلوا دیں۔ ایک بار وہ آگے کی طرف جھکیں بھی مگر پھر کچھ سوچ کر رک گئیں۔ کہیں لبنیٰ کے سسرال والے اس بات کا برا نہ مان جائیں۔ یہ لوگ اس وقت اس کیسٹ کو سننا چاہ رہے ہیں تو سننے دو۔ جیسی ان لڑکوں کی خوشی۔ اس خوشی کے موقع پر روک ٹوک مناسب بات نہ تھی۔ یہ سوچ کر انہوں نے صبر کر لیا اور اپنا دھیان گانوں سے ہٹانے کی کوشش کی۔ یہ کوئی سنسان سڑک تھی۔ سڑک کے دونوں طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔

یہی وہ موقع تھا، جس کی تلاش میں وہ اب تک صبر کیے بیٹھے تھے۔

ان کی گاڑی نے شادی ہال سے ہی تعاقب شروع کیا تھا۔ دلہن کی کار کسی طرح ہال سے نکل ہی نہیں رہی تھی۔ رخصتی میں خاصی تاخیر ہو رہی تھی۔ تاخیر کیوں نہ ہوتی۔ ایک تو بارات خاصی دیر سے پہنچی۔ بارات پہنچی تو دلہن کا انتظار شروع ہوا۔ خدا خدا کر کے اس کا میک اپ ختم ہوا اور اس کے شادی ہال میں قدم رنجہ فرمایا۔ یہ تو اچھا تھا کہ نکاح صبح ہی گھر میں ہو گیا تھا' ورنہ مزید تاخیر ہوتی۔ دلہن کے آتے ہی فوراً کھانا دے دیا گیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر لوگوں نے رخصت ہونا شروع کر دیا۔ آخر میں دلہا اور دلہن کے نزدیکی رشتے دار رہ گئے۔ پھر ایک ایک کے ساتھ دلہن کو بیٹھا کر ویڈیو فلم بنوائی گئی۔ اس فلمبندی میں دو اڑھائی گھنٹے ضائع ہو گئے۔

اور جب دلہن اور دلہا کی کار شادی ہال سے نکلی تو رات کا ایک بجا تھا۔ سجی سجائی کار کے باہر نکلتے ہی انہوں نے گاڑی پیچھے لگا دی۔

تعاقب کرنے والوں کو معلوم تھا کہ گاڑی کن راستوں سے گزرے گی اور کہاں جائے گی۔

شادی ہال سے چار پانچ میل کا سفر تھا۔ انہی چار پانچ میل کے درمیان آدھے میل کا ٹکڑا ایسا تھا جو بالکل سنسان اور اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

سجی سجائی کار ابھی اس سنسان علاقے میں داخل ہوئی ہی تھی کہ تعاقب کرنے والی گاڑی کے ڈرائیور نے اچانک رفتار تیز کر دی اور اپنی گاڑی سجی سجائی کار کو کراس کر کے اس طرح سامنے لے آیا کہ اگر فوراً بریک نہ لگاتا تو دونوں گاڑیوں کی زوردار ٹکر ہو جاتی۔

ابھی یہ لوگ معاملے کی نوعیت سمجھ ہی نہ پائے تھے کہ وہ چاروں اپنی گاڑی سے اتر کر تیزی سے کار کی طرف بڑھے اور کھلی کھڑکیوں سے رائفلوں کی نالیں اکبر، مجید اور روشن کے سروں سے لگ گئیں۔

ممانی کی طرف کا شیشہ چڑھا ہوا تھا۔ چوتھے نے ریوالور کا دستہ مار کر شیشہ توڑ دیا اور اپنا ہاتھ اندر گھسا کر ریوالور ممانی کی کھوپڑی سے لگا دی۔

''گاڑی سے نیچے اترو' جلدی کرو۔'' ایک تحکمانہ آواز آئی۔

اکبر نے کوئی مزاحمت نہ کی' یہ مزاحمت کا وقت بھی نہ تھا۔ وہ خاموشی سے نیچے اتر آیا۔

اس کے بعد ایک ایک کر کے سب کو یہ حکم ملا اور وہ چاروں نیچے اتر آئے' کار میں صرف دلہن رہ گئی۔ ممانی نے کچھ شور مچانے کی کوشش کی تو ان کے کندھے پر ایک زوردار ہاتھ پڑا۔ وہ وہیں کراہ کر ڈھیر ہو گئیں۔

پھر انہوں نے تینوں مردوں کی جلدی جلدی تلاشی لی۔ ان سے گھڑی' انگوٹھی اور نقدی چھین لی۔ روشن کی جیب میں خاصے پیسے

تھے۔ اسے ان سے محروم کر دیا گیا۔

''چلو۔'' پھر ان میں سے ایک بولا۔

ایک رائفل بردار دلہن کے پاس بیٹھ گیا۔ ایک نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور گاڑی آندھی طوفان کی طرح آگے بڑھائی۔

کار کے نکلتے ہی ریوالور بردار نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا۔

''تو گاڑی میں چل۔''

یہ سن کر اس کا ساتھی گاڑی کی طرف بڑھا۔

''اگر تم لوگوں کو جان عزیز ہے تو خاموشی سے زمین پر بیٹھ جاؤ۔''

ان میں جان کس کو عزیز نہ تھی۔ وہ حکم پاتے ہی سڑک پر بیٹھ گئے۔ اتنی دیر میں اس کا ساتھی گاڑی بیک کر کے اس کے نزدیک لا چکا تھا۔ وہ تیزی سے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور اس نے منہ باہر نکال کر ان چاروں سے کہا۔ ''ہم جا رہے ہیں' ٹا ٹا۔''

پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ گاڑی ان کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئی۔

☆---☆---☆

لبنیٰ کے والد ڈاکٹر عرفان جب اپنے کمرے میں آئے تو ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ وہ تیزی سے ٹیلیفون کی طرف بڑھے۔ انہوں نے اپنی گھڑی کی طرف نظر ڈالی۔ ڈھائی بج رہے تھے۔ وہ ڈاکٹر تھے اس لیے رات گئے مریضوں کے ٹیلی فون آتے رہتے تھے۔ اس ٹیلی فون کو بھی انہوں نے کسی مریض کا ٹیلیفون تصور کرلیا، لیکن جب انہوں نے ریسور کان سے لگا کر 'ہیلو' کہا تو ان کے چھکے چھوٹ گئے۔ سردی کے باوجود انہیں پسینے آ گئے۔ وہ کال ہی ایسی تھی۔

''آخر تم نہیں مانے، تم نے ہماری تنبیہہ کو محض ایک مذاق سمجھ لیا۔

اب تمہاری بیٹی ہمارے پاس آچکی ہے۔ اس کی طرف سے فکر مت کرنا۔ ہم بڑے قدر دان لوگ ہیں۔ اچھی چیزوں کو بہت سنبھال کر رکھتے ہیں۔'' یہ کہہ کر کہنے والا ہلکا سا ہنسا' پھر بولا'' ہاں' اپنے داماد کی تو خبر لو' وہ بے چارہ ابھی سڑک پر ہی کھڑا ہوگا۔''

اور اس سے پہلے کہ ڈاکٹر عرفان کوئی سوال کرتے' ادھر سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

ڈاکٹر عرفان بڑے مضبوط اعصاب کے مالک تھے۔ ڈاکٹر تھے' ڈاکٹروں کے اعصاب ویسے بھی خاصے مضبوط ہوتے ہیں' لیکن ڈاکٹر عرفان کچھ زیادہ ہی قوی اعصاب رکھتے تھے مگر اس وقت ٹیلی فون کی کال سن کر ان کے اعصاب جیسے جواب دے گئے تھے۔ ان کی ٹانگیں لرز رہی تھیں اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ اگر وہ فوراً بیڈ پر بیٹھ نہ جاتے تو اس بات کے امکان تھے کہ وہ چکرا کر زمین

پر گر جاتے۔

وہ ٹیلی فون کی کال ہی اس قدر خوفناک تھی۔ اسے کوئی بھی باپ سنتا' اس کا یہی حال ہوتا۔ پھر لبنیٰ تو ان کی اکلوتی بیٹی تھی۔ بہت پیاری اور بہت چہیتی۔

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ڈاکٹر عرفان لبنیٰ کے ہی بارے میں سوچتے ہوئے آ رہے تھے۔ لبنیٰ کی بہت سی تصویریں ان کی نگاہوں میں گھوم رہی تھیں۔ بچپن سے جوانی تک کے واقعات ان کی آنکھوں میں جھاگ رہے تھے۔ وہ ایک ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ہی تو اسے رخصت کر کے آئے تھے۔ گھر آنے کے بعد' مہمانوں کی موجودگی کے باوجود انہیں اپنا گھر سونا سونا لگ رہا تھا۔ اس گھر کی مینا اب پرائی ہو گئی تھی۔ اس کی میٹھی باتیں اب کسی اور آنگن میں چہچہائیں گی۔ لبنیٰ کے پرائی ہونے کا غم سبھی کو تھا اس لیے اس کی رخصتی کے بعد ہر شخص چپ چاپ

سا تھا۔ گھر آنے کے بعد کچھ دیر مہمانوں اور گھر والوں نے ادھر ادھر کی بات کی۔ پھر ایک ایک کر کے سب اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف چلے گئے۔ لبنیٰ کی امی، بکھری ہوئی چیزوں کو سمیٹ رہی تھیں۔ ڈاکٹر عرفان، انہیں منتظر نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ انتظار کرتے دیکھ کر لبنیٰ کی امی فریدہ نے کہا "آپ اوپر چلیے، میں تھوڑا سا کام سمیٹ کر آ رہی ہوں۔"

"جی بہتر۔" ڈاکٹر عرفان یہ کہتے ہوئے سیڑھیاں چڑھنے لگے۔

ان کا بیڈ روم اوپر تھا۔

اب وہ سر پکڑ کر بیٹھے تھے۔ یہ اچانک کیا ہو گیا تھا۔ انہیں نہیں معلوم تھا کہ وہ ایسا بھی کر گزرے گا۔ وہ تو اس کی باتوں کو محض ایک بے ہودہ مذاق سمجھ کر ٹال دیا کرتے تھے، لیکن اب اگر اس نے انتہائی قدم اٹھا لیا ہے، اور وہ کر گزرا ہے جس کی اس نے تنبیہہ کی تھی، تو

یہ بہت برا ہوا۔

انہوں نے خود کو سنبھالا' اٹھ کر ایک گلاس پانی لیا اور پھر لبنیٰ کے سسرال ٹیلی فون کرنے لگے۔

ادھر گھنٹی بج رہی تھی' لیکن اٹھا کوئی نہیں رہا تھا۔

ڈاکٹر عرفان کا ہر گھنٹی پر غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ جلد از جلد اس 'بکواس' کی جو ابھی ٹیلی فون پر کی گئی تھی' تصدیق چاہتے تھے۔

خدا خدا کر کے ادھر سے کسی نے ٹیلی فون اٹھایا۔ 'ہیلو' کوئی لڑکی بول رہی تھی۔

''بیٹا' کیا دلہن گھر پہنچ گئی ہے؟''

''جی ابھی تو نہیں پہنچی۔ ہم سب انتظار کر رہے ہیں۔''

''ابھی تک نہیں پہنچے وہ لوگ؟'' ڈاکٹر عرفان کے دل میں ٹھیس سی اٹھی۔ ''بیٹا زاہد صاحب کو بلاؤ۔''

''جی اچھا۔'' بڑے مودبانہ انداز میں کہا گیا۔'' آپ کون صاحب بول رہے ہیں؟''

''بیٹا میں ڈاکٹر عرفان بول رہا ہوں' جلدی سے زاہد صاحب کو بلاؤ۔'' ان کی آواز میں لرزش تھی۔

''جی' بلاتی ہوں۔''

چند لمحوں بعد ریسیور میں ایک مردانہ گونج دار آواز سنائی دی۔

''ہیلو!''

لبنیٰ ابھی تک گھر نہیں پہنچی کیا؟'' ڈاکٹر عرفان نے بے قراری سے سوال کیا۔

''نہیں' ابھی تک وہ لوگ نہیں پہنچے' ہم خود انتظار کر رہے ہیں۔''

''کیا روشن بھی ابھی تک گھر نہیں پہنچا؟''

''نہیں۔'' زاہد نے جواب دیا۔ پھر اچانک انہیں خیال آیا کہ کوئی

گڑبڑ ہوگئی ہے۔" "ڈاکٹر صاحب! کیا ہوا؟ صاف صاف بتائیں۔"

ان کے لہجے میں خوف تھا۔

"لبنیٰ کو کسی نے اغوا کرلیا ہے۔" ڈاکٹر عرفان نے لرزتی آواز میں کہا۔

"ارے نہیں!" زاہد کا سر گھوم گیا۔ لبنیٰ کو اغوا کیا گیا ہے تو ان کے بیٹے روشن پر جانے کیا گزری ہوگی۔

"میں آرہا ہوں۔ آپ گھر پر رہیں، وہاں آکر ساری تفصیل بتاتا ہوں۔" ڈاکٹر عرفان نے کہا اور ان کا جواب سنے بغیر ہی ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ پھر وہ تیزی سے سیڑھیاں اترتے نیچے گئے۔ پہلے انہوں نے سوچا کہ فریدہ کو اصل واقعہ سے روشناس کردیں، لیکن پھر کچھ سوچ کر رک گئے۔ انہیں کچھ بتانا مناسب نہ تھا۔ انہوں نے اپنے بڑے بیٹے رزاق کو ساتھ لیا اور گاڑی نکال کر اس راستے پر چل

دیئے‘ جس راہ سے ان کی بیٹی کو اٹھالیا گیا تھا۔

جو کچھ ہوا تھا بس آناً فاناً ہی ہوا تھا۔ روشن کے تو چودہ طبق اس وقت روشن ہوئے جب وہ لوگ لبنیٰ کو لے کر غائب ہو گئے۔ اب اسے واقعہ کی سنگینی کا احساس ہوا۔ وہ تو خوابوں کی وادی میں ڈوبا ہوا تھا‘ کانوں میں خونخوار بھیڑیوں کی آوازیں گھونج رہی تھیں۔ لبنیٰ کے نرم و ملائم ہاتھ کا لمس اس کے ہاتھ میں جاگ رہا تھا۔ وہ خوشی‘ وہ سرشاری جو کچھ دیر پہلے محسوس ہو رہی تھی ایک دم غائب ہو گئی تھی۔

وہ اندھیرے میں کھڑے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔ ممانی سڑک پر لیٹی ہوئی تھیں۔ ان کے کندھے پر کراٹے کا ہاتھ پڑا تھا یا پھر وہ اس سانحے کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئی تھیں۔ روشن نے اکبر سے کہا۔ ”ذرا ممانی کو دیکھو۔“

اکبر اور مجید نے مل کر انہیں اٹھانے کی کوشش کی تو انہوں نے کراہ کر آنکھیں کھول دیں۔ ''وہ لوگ چلے گئے۔ لبنیٰ کہاں ہے؟'' انہوں نے کانپتے ہوئے سوال کیا۔

''ممانی' وہ لوگ لبنیٰ کو اپنے ساتھ لے گئے۔'' اکبر نے انہیں بتایا۔

''ہائے' میرے اللہ' اب کیا ہوگا۔'' ممانی جو اکبر اور مجید کا سہارا پا کر اٹھ گئی تھیں' دل پکڑ کر پھر لیٹ گئیں۔

اب کیا ہوگا؟ یہ کسی کو نہیں معلوم تھا۔ ان لوگوں کا گھر تک پہنچنا کوئی ایسا مشکل مسئلہ نہ تھا۔ رات زیادہ گہری ہونے پر اگرچہ اس سڑک سے کسی ٹیکسی' رکشا کا ملنا بہت مشکل تھا' رکشہ ٹیکسی نہ سہی کسی پرائیویٹ گاڑی سے لفٹ لے لیں گے' اگر کوئی گاڑی نہ بھی ملے تو پیدل بھی گھر جایا جا سکتا تھا۔

کچھ دیر انتظار کر کے آخر انہوں نے پیدل چلنا شروع کر دیا۔

اکبر اور مجید، ممانی کو سہارا دے کر چلا رہے تھے۔ ان کی حالت خراب تھی، وہ نیم بے ہوشی کی کیفیت میں تھیں۔

حالت تو روشن کی بھی خراب تھی۔ اگرچہ وہ بیہوش نہ ہوا تھا لیکن صدمے سے اس کا ذہن ماؤف ہو چکا تھا۔ لبنیٰ کے اس طرح چھن جانے کا صدمہ اس کی روح کو کرچی کرچی کیے دے رہا تھا۔

لبنیٰ صرف اس کی بیوی نہ تھی، اس کی محبت تھی۔ روشن سوچ سوچ کر پاگل ہوا جا رہا تھا۔

مسئلہ یہ نہ تھا کہ اب کیا ہو گا؟ مسئلہ یہ تھا کہ یہ کیا ہو گیا تھا اور یہی سوچ سوچ کر روشن کا دماغ پگھلا جا رہا تھا۔ وہ قدم رکھتا کہیں تھا، پڑتا کہیں تھا۔

وہ چاروں گرتے پڑتے، بیٹھتے چلے جا رہے تھے۔

اچانک ان کے عقب میں ایک گاڑی رکی۔ گاڑی میں ڈاکٹر عرفان اور ان کا بیٹا رزاق تھے۔

ڈاکٹر عرفان کا چہرہ دیکھ کر روشن نے سکون کا سانس لیا۔ اب گھپ اندھیرے میں کہیں کوئی جگنو چمکا۔ کہیں کوئی امید کی کرن دکھائی دی۔

"ارے سعدیہ کو کیا ہوا؟" ڈاکٹر عرفان نے اپنے سالے کی بیوی پر نظر پڑتے ہی کہا۔ ممانی سعدیہ' اکبر اور مجید کے کندھوں پر جھول رہی تھیں۔

ڈاکٹر عرفان نے انہیں گاڑی کی پچھلی نشست پر لٹا کر نبض کا معائنہ کیا آلے سے سینہ چیک کیا اور پھر اپنا بیگ کھول کر جو ہمیشہ گاڑی میں رہتا تھا ایک انجکشن نکال کر انہیں لگایا یہ کام انہوں نے مشکل سے دو تین منٹ میں کیا اس دوران وہ روشن سے سوالات

کرتے رہے۔

انجکشن لگا کر ڈاکٹر عرفان نے سب کو گاڑی میں بیٹھ جانے کو کہا گاڑی مین سب ٹھس ٹھسا کر بیٹھ گئے تب ڈاکٹر عرفان نے رزاق سے گاڑی سٹارٹ کرنے کو کہا۔ چلو جلدی کرو۔ اب اس گاڑی کا رخ روشن کے گھر کی طرف تھا۔

وہاں سب دلہا کی کار کا انتظار کر رہے تھے اور دلہا کی گاڑی پسنجر ٹرین بن گئی تھی آ کر ہی نہیں دے رہی تھی روشن کی بہنیں بار بار دروازے پر آ کر جھانک رہی تھیں انہیں بھابھی کی آمد کا شدید انتظار تھا بھابھی آئے تو دروازہ روکیں، بھابھی سے درد کائی لین بقول روشن کی بہن عالیہ کہ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے بھائی صاحب درد کائی سے بچنے کے لئے بھابی کو کسی ہوٹل میں لے گئے ہیں۔

شروع میں کچھ دیر اسی طرح کا ہنسی مذاق چلتا رہا لیکن وقت گزرنے
کے ساتھ چہروں پر ہنسی کی جگہ فکر نے لے لی اب خاصا وقت گزر چکا
تھا شادی ہال سے گھر تک کا فاصلہ چار پانچ میل سے زیادہ نہیں تھا دیر
ہونے کی صورت میں بھی انہیں اب تک گھر پہنچ جانا چاہیے تھا۔

روشن کے گھر والے اور روشن تقریباً ساتھ ساتھ ہی شادی ہال سے
نکلے تھے زیادہ سے زیادہ چار پانچ منٹ کا فرق رہا ہوگا چلتے چلتے وڈیو
فلم بننے لگی تھی تو مجید نے کہا تھا ابو آپ گھر والوں کو لے کر چلیں، میں
روشن بھائی اور بھابھی کو لے کر آتا ہوں۔

اس طرح یہ لوگ ان سے پہلے نکل گئے تھے اگر ساتھ ساتھ بھی نکلتے تو
دلہن کو اغوا کرنے والوں کو کوئی فرق نہ پڑتا زاہد یا گھر والے لبنیٰ کو
جانے سے نہیں روک سکتے تھے جان سب کو پیاری ہوتی ہے شعلے اگلتی
نالوں کے سامنے کوئی نہیں ٹھہرتا۔

اب انتظار جان لیوا ثابت ہو گیا تھا سب لوگ گھر کے دروازے میں کھڑے چہ میگوئیاں کرر ہے تھے اتنے میں ڈاکٹر عرفان کا ٹیلی فون پہنچ گیا اس ٹیلی فون کال نے تو گھر والوں پر بجلی گرا دی۔

ڈاکٹر عرفان کا جملہ اگر چہ بہت واضح تھا انہوں نے لبنیٰ کے اغوا ہونے کی خبر سنائی تھی اس واضح خبر کے باوجود بہت سے سوالات روشن کے گھر والوں کے ذہن میں سر ابھار رہے تھے۔

زاہد چاہ رہے تھے کہ فوراً گھر سے نکلیں اور باہر نکل کر صورتحال معلوم کریں لیکن ڈاکٹر عرفان نے انہیں گھر سے نکلنے سے روک دیا تھا۔

لبنیٰ کے اغوا کی خبر نے ہنستے بستے گھر کو سوگوار بنا دیا تھا ایسا لگتا تھا جیسے مکینوں کو سانپ سونگھ گیا ہو روشن کی والدہ زبیدہ کی حالت بڑی خراب تھی وہ اپنا دل دبائے بیٹھی تھیں ایک بیٹی ان کی پیٹھ سہلا رہی تھی زاہد مٹھیاں بھینچے ادھر سے اُدھر ٹہل رہے تھے ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا

کہ یہ اچانک ہوا کیسے؟ انہیں رہ رہ کر اس بات کا افسوس ہو رہا تھا کہ ہم سب کو ایک ساتھ نکلنا چاہیے تھا اگر سب نکلتے تو شاید یہ واردات نہ ہوتی۔

ابھی وہ سوچ ہی رہے تھے کہ اچانک اطلاعی گھنٹی بجی اور ساتھ ہی کسی گاڑی کا انجن بند ہونے کی آواز آئی سب لوگ دروازے کی طرف بھاگے عالیہ سب سے آگے تھی، اس نے گھر کا دروازہ کھولا تو سب سے آگے روشن تھا عالیہ اپنے بھائی سے لپٹ گئی۔

بھائی جان۔ یہ سب کیا ہو گیا،؟ وہ رو رہی تھی۔

عالیہ ہمت سے کام لو ان لوگوں کو اندر تو آنے دو پیچھے سے زاہد نے کہا۔

تب عالیہ نے روشن کو چھوڑ دیا روشن گھر میں داخل ہوا اسے باپ نے لپٹایا اسے ماں نے چوما اسے دیگر بہنوں نے گلے سے لگایا روشن کو

محسوس ہوا جیسے اس کے گھر والے اسے صحیح سلامت دیکھ کر خوشی محسوس

کر رہے ہیں کسی کو اس بات کا اندازہ نہیں کہ اس پر کیا بیت رہی ہے

وہ اس گھر میں لبنیٰ کے بغیر داخل ہوا ہے لبنیٰ جو اس کی آدھی زندگی تھی

لبنیٰ کے بغیر وہ ادھورا تھا آدھا زندہ تھا۔

روشن گھر کے ایک کمرے میں جا کر بیڈ پر گر پڑا۔

باقی لوگوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا جا چکا تھا ممانی کی حالت اب کچھ

سنبھل گئی تھی وہ گھر کی خواتین کے ساتھ اندر چلی گئی تھی گھر کی عورتوں

نے ان پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی تھی وہ سب کو اس واردات کی

تفصیلات بتا رہی تھیں۔

ڈرائنگ روم میں گھر کے مرد اکٹھے تھے اور اس واردات کی جزئیات

پر مکالمہ کر رہے تھے لبنیٰ کے چلے جانے پر دونوں گھرانے بے حد فکر

مند تھے رنجیدہ تھے، ایک کی بیٹی گئی تھی تو ایک کی دلہن گئی تھی۔

ان کمینوں کو جو کچھ لوٹنا تھا لے جاتے، پر میری بیٹی کو چھوڑ جاتے،

ڈاکٹر عرفان ہاتھ مل رہے تھے۔

کاش۔! ایسا ہوتا تو ہم میں سے کسی کو افسوس نہ ہوتا زیوارت روپیہ

پیسہ تو آنی جانی چیزیں ہیں لڑکی کے مقدر میں ہوتیں تو پھر اسے حاصل

ہو جاتیں زاہد نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

وہ کس طرح کے لوگ تھے؟ ڈاکٹر عرفان نے اکبر سے سوال کیا۔

وہ چار تھے اور چاروں نوجوان تھے ہماری ہی عمروں کے رہے ہوں

گے قد کاٹھ بھی ان کے ہمارے جیسے تھے لمبے تڑنگے نہ تھے پستہ قد

بھی نہ تھے مناسب قد تھے ان لوگوں کے۔

چہروں پر نقاب تھا، زاہد نے پوچھا۔

نہیں ابوان کے چہرے کھلے ہوئے تھے اس مرتبہ مجید نے جواب

دیا۔

اگر وہ دوبارہ نظر آئیں تو کیا تم انہیں پہچان لو گے۔؟

جہاں یہ واردات ہوئی ہے وہاں اندھیرا تھا پھر سب کچھ اتنا آناً فاناً ہوا کہ سب کے ذہن ماؤف ہو گئے تھے ہم میں سے کسی نے ان کے چہروں پر غور نہیں کیا اگر غور کرتے بھی تو شاید ان کے چہروں کے نقوش یاد رکھنا مشکل ہوتا کیونکہ اندھیرا ہونے کی وجہ سے ان کے چہرے واضح طور پر دکھائی نہیں دے رہے تھے اکبر نے کہا۔

کیا وہ لوگ پہلے سے سڑک پر کھڑے تھے سوال ہوا۔ نہیں وہ پیچھے سے آئے اور انہوں نے گاڑی اس طرح آگے لا کر روکی کہ اگر مجھ سے ذرا بھی غفلت ہو جاتی تو دونوں گاڑیاں آپس میں ٹکرا جاتیں۔

تم لوگوں کو تعاقب کیے جانے کا احساس نہیں ہوا۔؟

نہیں اس طرف کسی نے دھیان ہی نہیں دیا، گاڑی میں تیز آواز میں کیسٹ بج رہا تھا ہم سب کا دھیان موسیقی کی طرف تھا اگر کسی طرح

ہمیں یہ احساس ہو جاتا کہ کوئی گاڑی ہمارے تعاقب میں ہے تو پھر میں گاڑی کو تیز بھگا لاتا، اکبر نے کہا۔

وہ تم لوگوں سے بھی گھڑیاں، انگوٹھیاں، اور نقدی چھین کر لے گئے بظاہر یہ ڈکیتی کی واردات لگتی ہے زاہد نے قیاس آرائی کی۔

نہیں زاہد صاحب۔ یہ محض ڈکیتی کی واردات نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو وہ نقدی اور زیوارت لوٹ کر چلے جاتے لبنیٰ کو ساتھ نہ لے جاتے، ڈاکٹر عرفان نے کہا پھر کچھ توقف کر کے بولے۔

یہ سب اسی کی کارستانی ہے جسے میں اب تک محض مذاق سمجھتا رہا۔

کس کی کارستانی کون ہے وہ؟ ایک دم سب چونک پڑے۔

وہ مجھے اکثر فون کرتا تھا، ڈاکٹر عرفان نے کہا۔

کون؟ پوچھا گیا۔

یہ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کون ہے جواب ملا۔؟

فون پر کیا کہتا تھا پھر پوچھا گیا۔
وہ مجھے لبنیٰ کی شادی کرنے سے روکتا تھا، پھر جواب ملا۔
وہ کیا کہتا تھا سوال پر سوال۔
وہ کہتا تھا کہ آپ لبنیٰ کی شادی ہرگز نہ کریں جواب پر جواب۔
کیا وہ خود لبنیٰ سے شادی کرنا چاہتا تھا زاہد نے پوچھا۔
نہیں اس بات کا ذکر اس نے کبھی نہیں کیا لیکن وہ جو کوئی بھی ہے بڑا باخبر اسے ایک ایک بات کی فوراً خبر ہو جاتی تھی۔
جب روشن اور لبنیٰ کی منگنی ہو گئی تو دوسرے دن اس کا فون آیا اس نے منگنی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ میں لبنیٰ کی شادی ہرگز روشن سے نہ کروں اس نے روشن کے دفتر میں کئی لڑکیوں سے فلرٹ کرنے کے واقعات سنائے میں نے لبنیٰ کو بتایا تو وہ یہ سن کر دیر تک ہنستی رہی اس نے کہا ڈیڈی، میں اور روشن ایک ہی فرم میں کام کرتے ہیں وہ جتنا

فلرٹ ہے میں اچھی طرح جانتی ہوں یہ محض آپ کے ذہن کو خراب کرنے کی کوشش ہے اور کچھ نہیں لبنیٰ کی بات سن کر میں مطمئن ہو گیا پھر میں نے ان ٹیلی فون کالوں کو کوئی اہمیت نہ دی محض ایک بے ہودہ مذاق سمجھتا رہا لیکن اب معلوم ہوا کہ وہ سب مذاق نہ تھا وہ انتہائی سنجیدگی سے مجھے تنبیہہ کر رہا تھا۔

کیا شادی سے پہلے بھی اس نے تنبیہہ کی تھی؟ سوال ہوا۔

شادی سے ایک دن پہلے تک وہ مجھے مسلسل تنبیہہ کرتا رہا تھا اور میں اسے جواب میں گالیاں دیتا رہا تھا جواب ملا۔

یہ تو کوئی خطرناک چکر معلوم ہوتا ہے ہمیں فوراً چل کر تھانے میں رپورٹ لکھوانا چاہیے زاہد نے کہا۔

ظاہر ہے رپورٹ تو ہر صورت میں لکھوانا ہو گی روشن کہاں ہے اسے بلائیں تا کہ ساتھ لے چلیں ڈاکٹر عرفان نے اٹھتے ہوئے کہا۔

بھائی کو میں لاتا ہوں بلا کر آپ لوگ باہر چلیں مجید نے کہا پھر وہ اندر چلا گیا۔ ابھی یہ لوگ تھانے جانے کے لئے گاڑی میں بیٹھ ہی رہے تھے کہ عالیہ بھاگتی ہوئی باہر آئی۔

ابو ابو، آپ کا فون ہے۔

میرا۔ زاہد نے حیرت سے کہا اس وقت کس کا فون آ گیا؟ تم نے نام پوچھا۔؟

میں نے نام پوچھا تھا لیکن انہوں نے بتایا نہیں کہنے لگے وہ میرے نام سے واقف نہیں لیکن بات بہت ضروری ہے فوراً بلائیں عالیہ نے ان کے ساتھ چلتے ہوئے بتایا۔

یہ سن کر زاہد کی پیشانی پر بل پڑ گئے، وہ تیز تیز چلتے ٹیلی فون کے پاس پہنچے انہوں نے رسیور اٹھا کر تذبذب کے عالم میں ''ہیلو'' کہا۔

زاہد صاحب بول رہے ہیں؟ ادھر سے تصدیق چاہی گئی۔

جی جناب۔ میرا نام زاہد ہے فرمائیے۔

مجھے فرمانا نہیں عرض کرنا ہے اور عرض یہ ہے کہ آپ کی بہو ہمارے پاس بحفاظت پہنچادی گئی ہے آپ اس کی واپسی کے لئے پریشان ہوں گے۔........

ادھر سے ابھی بات جاری تھی کہ زاہد نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر عالیہ سے ڈاکٹر کو بلانے کو کہا وہ فوراً دوڑی چلی گئی۔

ہیلو۔!

جی فرمائیے میں آپ کی بات سن رہا ہوں۔

مجھے جانے کیوں ایسا لگا کہ آپ میری بات سن نہیں رہے آپ نے ماؤتھ پیس پر بھی غالباً ہاتھ رکھا تھا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں خیر میں یہ عرض کرر ہا تھا ویسے میں لمبی چوڑی بات کرنے کا عادی نہیں صاف اور دو ٹوک بات کرنے کا عادی ہوں آپ اپنی بہو کے سلسلے میں فکرمند نہ

ہوں ذرا حوصلے سے کام لیں آپ کی بہو آپ کو صبح دس بجے تک مل
جائے گی۔
ابھی یہ بات جاری تھی کہ ڈاکٹر عرفان پریشان کمرے میں داخل
ہوئے زاہد نے انہیں دیکھ کر فوراً ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ لیا کون ہے۔؟
ڈاکٹر عرفان نے پوچھا۔
وہی ہے۔ زاہد نے آہستہ سے کہا۔

لائیں مجھے دیں فون، ڈاکٹر عرفان نے ان سے رسیور لینا چاہا لیکن
زاہد نے ہاتھ کے اشارے سے ٹھہرنے کو کہا۔
بھئی زاہد صاحب کیا بات ہے آپ بار بار کہاں غائب ہو جاتے ہیں
میرے خیال سے آپ کو اپنی بہو سے زیادہ دلچسپی نہیں ٹھیک ہے میں
بند کرتا ہوں فون۔
نہیں نہیں یہ بات نہیں ہے۔ زاہد نے گھبرا کر کہا دراصل ہم لوگ اتنے

کسی کو بتانے کی بھی ضرورت نہیں میں وعدہ کرتا ہوں کہ نہ صرف آپ
کی بہو مل جائے گی بلکہ گاڑی اور لوٹی ہوئی دیگر اشیاء بھی مل جائیں گی
اب آپ پتا نوٹ کر لیجئے۔
''کاغذ'' زاہد نے عالیہ سے کہا۔
عالیہ نے جلدی سے کسی کاپی میں سے ایک ورق پھاڑا اور اپنے والد
کے سامنے رکھ دیا۔

جی فرمائیے۔ زاہد نے کاغذ اور بال پین سنبھالتے ہوئے کہا۔
جواب میں ادھر سے پتا لکھوایا گیا اور کہا گیا ٹھیک دس بجے آپ بتائے
ہوئے پتے پر پہنچ جائیں آپ کی بہو آپ کو گاڑی میں معہ سامان بیٹھی
مل جائے گی آخر میں ایک بار پھر یاد دلا دوں کہ پولیس کو اس سلسلے
میں کسی قسم کی زحمت دینے کی ضرورت نہیں ورنہ نتیجے کے خود ذمے
دار ہوں گے یہ کہہ کر ادھر سے ریسور رکھ دیا گیا۔

ادھر سے گفتگو ختم ہونے پر زاہد نے ایک گہرا اور ٹھنڈا سانس لیا۔ اللہ رحم!''

کیا ہوا۔ کیا کہہ رہا تھا وہ۔؟ ڈاکٹر عرفان نے بے قرار ہو کر پوچھا۔

ڈاکٹر صاحب ہمیں لبنیٰ مل جائے گی زاہد نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

آپ نے مجھے رسیور کیوں نہیں دیا! میں اس سے بات کرتا، ڈاکٹر عرفان نے کہا اب اس سے بات کرنے کا کیا فائدہ تھا بات تو اس نے ختم کر دی اس نے کہا صبح دس بجے ہمیں اس پتے سے لبنیٰ مل جائے گی نہ صرف لبنیٰ مل جائے گی بلکہ لوٹی ہوئی اشیاء اور گاڑی بھی مل جائے گی

وہ کتے کا بچہ ہے کون! میں اس کا خون پی جاؤں گا روشن نے غصے سے کہا۔

بیٹا اس وقت غصے سے کام نہیں چلے گا، اس وقت ہمیں اس کی ہدایت

پر عمل کرنا ہو گا۔

کیا کہا ہے اس نے؟ روشن نے پوچھا۔

بس اس نے ایک بات کہی ہے کہ اس سلسلے میں پولیس سے مدد نہ لی جائے ورنہ.........روشن نے پوچھا۔

ورنہ لبنیٰ ہم تک زندہ نہ پہنچے گی زاہد نے ٹھنڈا سانس لیتے ہوئے کہا۔

خدا کا شکر ہے کہ اس نے لبنیٰ کے عوض ہم سے کوئی مطالبہ نہیں کیا، اس مرتبہ روشن کا دوست اکبر بولا اسے اب اپنی گاڑی ملنے کی آس ہو گئی تھی ہمیں کیا ضرورت ہے کہ پولیس سے رجوع کریں۔

ہاں اب پولیس میں رپورٹ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دینا چاہیے کیونکہ اس سے فائدہ پہنچنے کی بجائے نقصان ہونے کا احتمال ہے زاہد نے ڈاکٹر عرفان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

یہ ہے کون شخص؟ روشن کو رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا اس نے یہ سب کیوں

کیا؟

یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا جواب کسی کے پاس نہ تھا۔

اگر لبنیٰ کو تاوان وصول کرنے کے لئے اغوا کیا گیا تھا تو بغیر تاوان وصول کیے اسے آزاد کیوں کر رہا تھا اگر یہ محض ڈکیتی کی واردات تھی تو ڈاکو لوٹا ہوا مال کب واپس کرتے ہیں اس نے تو لوٹ کے مال کی واپسی کا بھی یقین دلایا تھا سوال یہ تھا کہ اگر لوٹ کا مال واپس ہی کرنا تھا تو اسے لوٹا کیوں گیا ہو سکتا ہے کہ اس کے گرگوں نے یہ کام غلطی سے کیا ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے اس نے سوچا ہو کہ اس واردات کو ڈکیتی کی واردات بنا دیا جائے تا کہ پولیس میں رپورٹ ہونے کی صورت میں پولیس محض اسے ڈکیتی کی واردات سمجھے لیکن بعد میں جب اسے اندازہ ہو گیا کہ ابھی پولیس میں رپورٹ نہیں کی گئی ہے تو اس نے ارادہ بدل دیا اور اس واردات کو شریفانہ واردات بنا دیا۔

بہر حال یہ ایک گورکھ دھندا تھا ایک معما تھا سمجھنے کا نہ سمجھانے کا وہ کون تھا کیا چاہتا تھا اس نے لبنیٰ کو کیوں اغوا کیا اغوا کیا تو چھوڑنے کا ارادہ کیوں کیا وہ لبنیٰ کی روشن سے شادی کیوں نہیں ہونے دینا چاہتا تھا؟

یہ وہ سوالات تھے جن کی جواب کسی کے پاس نہ تھا.........

یہ بات تو لبنیٰ کو بھی معلوم نہ تھی۔

اس پر افتاد اچانک پڑی تھی اس واردات کے وقت اس پر لرزہ طاری ہو گیا تھا خوف کے مارے چیخ اس کے حلق میں گھٹ کر رہ گئی تھی پھر بھی جب وہ لوگ اس کے اپنوں کو اتار کر اسے اغوا کر کے لے چلے تو اس نے مزاحمت کی ناکام کوشش کی ساتھ بیٹھے شخص نے اچانک اپنی جیب سے رومال نکال کر اس کے منہ پر رکھ دیا۔

اس رومال کے رکھتے ہی آناً فاناً اس کی دنیا اندھیر ہو گئی وہ ہوش گنوا بیٹھی۔

ہوش آنے کے بعد پہلے تو اس کی سمجھ میں ہی نہ آیا کہ وہ کہاں ہے اس نے اپنے گرد اندھیرا پایا پھر اسے خوشبو محسوس ہوئی اس کے بعد اس نے گردن اٹھا کر چاروں طرف نظر ڈالی تو خوابناک اندھیرے میں اس نے خود کو کسی بیڈ روم میں پایا۔

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی اس کے اٹھتے ہی کمرے میں لگی بتیاں روشن ہو گئیں اسے لگا جیسے بتیاں اس کے اٹھنے سے روشن ہو گئی ہوں لیکن ایسا نہیں تھا کوئی کمرے میں تھا جو اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہا تھا اور جیسے ہی وہ اٹھ کر بیٹھی منتظر شخص نے کمرے کی بتیاں روشن کر دیں۔

لبنی نے اسے پلٹ کر دیکھا وہ کوئی خوش لباس نوجوان تھا، پستول اس کے ہاتھ میں تھا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ وہ بیڈ کے نزدیک آ کر رک گیا اس نے کوئی بات نہ کی جیسے وہ لبنی کے بولنے کا منتظر ہو۔

کون ہو تم ؟ مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟ لبنیٰ نے سوال کیا۔

سوالات کر کے اپنے آپ کو ہلکان نہ کریں، یہ بتائیں آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔

نہیں مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں مجھے یہ بتاؤ میں کہاں ہوں لبنیٰ نے پوچھا۔

آپ اسی شہر میں ہیں اس نوجوان نے جواب دیا۔

خدا کے واسطے مجھے جانے دو تم نے مجھ سے کس وقت کی دشمنی نکالی ہے میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے میں تو تمہیں جانتی بھی نہیں ہوں، لبنیٰ نے شکوہ کیا۔

آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ واقعی مجھ سے واقف نہیں جواب ملا۔

پھر یہ سب کیا ہے مجھے کیوں اغوا کیا گیا ہے مجھ سے میری خوشیاں کیوں چھینی گئی ہیں۔؟

یہ سب میں نہیں جانتا اوپر والا جانتا ہے میں تو اس کا ایک ادنیٰ غلام

ہوں۔

اوپر والا کون تمہارا مطلب اللہ۔؟

جی نہیں اللہ تو بہت اوپر ہے سب سے اوپر میں تو اس چھت کی بات کر

رہا تھا اس چھت کے اوپر ایک کمرا ہے وہاں ہمارے باس موجود ہیں

وہی اس اغوا کی وجہ جانتے ہیں اس نوجوان نے بتایا۔

کون ہیں تمہارے باس۔؟

یہ میں آپ کو کیسے بتا سکتا ہوں۔؟

تم مجھے کوئی اچھے آدمی دکھائی دیتے ہو خدا کے واسطے بتاؤ یہ سب کیا

ہے۔

نہیں یہ آپ کی غلط فہمی ہے کہ میں کوئی اچھا آدمی ہوں اچھے آدمی کسی

کی نئی نویلی دلہن کو اغوا نہیں کرتے لہٰذا مجھ سے کسی بھلائی کی توقع نہ

رکھیں ہمارے باس اوپر کسی کو ضروری ٹیلی فون کرنے گئے ہیں وہ اوپر سے آنے ہی والے ہوں گے۔

ابھی وہ نوجوان یہ بات کر رہا تھا کہ ایک مکروہ صورت آدمی اندر داخل ہوا۔

اس کے ہاتھ میں کچھ تھا، اسے دیکھ کر لبنیٰ گھبرا گئی۔

خدا کے واسطے مجھے انجکشن نہ لگاؤ، اس نے فریاد کی۔

لیکن اس کی فریاد سننے والا کوئی نہیں تھا وہ لوگ اندھے اور بہرے تھے انہوں نے کچھ دیکھا نہ سنا، لبنیٰ کو پکڑ کر اس کے بازو میں سرنج گھونپ دی۔

انجکشن لگتے ہی اس کی آنکھوں میں اندھیرا اچھیل گیا اسے لگا جیسے وہ روئی کے گالوں میں دھنستی چلی جا رہی ہے پھر اس پر گہری نیند طاری ہو گئی۔

جب دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو اسی گاڑی میں پایا جس میں اسے اغوا کیا گیا تھا۔

جب وہ لوگ بتائے ہوئے پتے پر ٹھیک دس بجے پہنچے تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی گاڑی اس میدان میں کھڑی تھی۔

اکبر اپنی گاڑی دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اکبر کے ساتھ روشن تھا اس نے دور ہی سے لبنیٰ کو دیکھنے کی کوشش کی لیکن گاڑی میں لبنیٰ کی کوئی جھلک دکھائی نہ دی اس کے چہرے پر مردنی چھا گئی روشن نے مڑ کر ڈاکٹر عرفان پر نظر ڈالی انہوں نے بھی گاڑی کو خالی محسوس کر لیا تھا وہ بھی پریشان ہو گئے تھے۔

بس یہ تینوں ہی یہاں آئے تھے زاہد کو روشن اور اکبر نے آنے سے منع کر دیا تھا وہ تو ڈاکٹر عرفان کو بھی ساتھ نہیں لانا چاہتے تھے کہ وہاں جا

کر جانے کیا صورتحال سامنے آئے لیکن ڈاکٹر عرفان نہیں مانے وہ
اپنی بیٹی کے لئے ہر خطرے سے گزرنے کے لئے تیار تھے۔
ساڑھے نو بجے کے قریب اس میدان میں دو گاڑیاں داخل ہوئیں
تھیں درمیان میں پہنچ کر دونوں گاڑیاں ایک دوسرے کے برابر رک
گئیں لینڈ والی گاڑی سے دو آدمی تیزی سے باہر نکلے اور جلدی سے
دوسری گاڑی میں بیٹھ گئے پھر وہ گاڑی لینڈ والی گاڑی کو پیچھے چھوڑ کر
برق رفتاری سے میدان سے نکل گئی اگر یہ لوگ دس بجے سے پہلے
آئے ہوتے تو اس برق رفتار گاڑی کو ضرور دیکھ لیتے ویسے ان کے
دیکھنے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا وہ لوگ مسلح تھے اور ہر خطرے سے نبٹنے کے
لئے تیار تھے ان کا کچھ بگاڑنا ممکن نہ تھا یہ لوگ تو ویسے ہی ڈرے سہمے
تھے کسی جارحانہ قدم کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے وہ کسی
معمول کی طرح ٹیلی فون پر ملنے والی ہدایات پر عمل کر رہے تھے وہ

وعدہ خلافی کر کے اس نادیدہ شخص کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے۔

اس گاڑی کو میدان میں کھڑے آدھا گھنٹہ ہو گیا تھا لیکن اس علاقے کے کسی آدمی نے اس طرف توجہ نہ دی تھی اول تو میدان سے دو چار آدمی ہی گزرے تھے یہ عام گزرگاہ نہ تھی لیکن ان دو چار آدمیوں نے بھی اس طرف توجہ نہ دی تھی یہ تو خیر گاڑی تھی اگر اس گاڑی کی جگہ کوئی لاش پڑی ہوتی تب بھی لوگوں کا ردعمل یہی ہوتا وہ اسے دور سے ہی دیکھ کر گزر جاتے ویسے اس میں لوگوں کا بھی قصور نہ تھا اصل میں ہمارے معاشرے نے جو رخ اختیار کر لیا ہے اس میں ہر شخص ہمدردی کرتے ہوئے گھبراتا ہے کیونکہ یہ ہمدردی بسا اوقات بڑی مہنگی پڑتی ہے۔

ڈاکٹر عرفان اور روشن کو جب گاڑی خالی محسوس ہوئی تو انہوں نے اپنے چلنے کی رفتار تیز کر دی پھر انہوں نے دوڑنا شروع کر دیا۔

گاڑی کے نزدیک پہنچ کر انہیں سرخ کپڑے نظر آئے سرخ کپڑے دیکھ کر ڈاکٹر عرفان کے چہرے پر ایک لمحے کو سکون کی لہر آئی پھر یہ سکون کی لہر خوف میں تبدیل ہو گئی لبنیٰ گاڑی میں جس طرح پڑی تھی اس سے اس کا زندہ ہونا ثابت نہ تھا لبنیٰ کی بس اسی لمحے آنکھ کھلی تھی جب اسے مسلح نوجوان نے اسے جھٹکے سے سیٹ پر لٹایا تھا اور خود تیزی سے گاڑی سے اتر گیا تھا اسی وقت لبنیٰ کو ہوش آیا تھا اس نے خود کو رات والی کار میں پایا تھا اور پھر کوشش کے باوجود اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو کر بند ہو گئی تھیں اب وہ اس طرح گاڑی میں لیٹی تھی جیسے زندگی اس سے روٹھ گئی ہو۔

کیا اس شخص نے ہمیں دھوکا دے دیا ہم نے تو اس کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے پولیس سے بھی رجوع نہیں کیا۔ پھر اس نے ایسا کیوں کیا اس نے لبنیٰ کی زندگی کیوں لے لی؟ سوچ کر ایک لہر ڈاکٹر عرفان

کے دماغ میں آ کر تیزی سے نکل گئی۔

ڈاکٹر عرفان نے گھبرا کر دروازہ کھولنے کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن دروازہ بند تھا روشن نے گاڑی کے دوسری طرف کا دروازہ کھولنا چاہا لیکن وہ بھی بند تھا گاڑی کے چاروں دروازے اندر سے بند تھے کھڑکیوں کے شیشے چڑھے ہوئے تھے اور گاڑی کی چابی اگنیشن میں لگی ہوئی تھی یہ بھی غنیمت تھا کہ چابی گاڑی میں موجود تھی۔

روشن نے پتھر مار کر گاڑی کا شیشہ توڑا۔ پھر اس نے گاڑی کے اندر جا کر تمام دروازے کھول دیئے ڈاکٹر عرفان نے لپک کر لبنیٰ کو ہلایا جلایا ،اٹھا کر بٹھانے کی کوشش کی لیکن اس کی لٹکی ہوئی گردن دیکھ کر اسے پھر سے سیٹ پر لٹا دیا اس کی نبض دیکھی آنکھیں کھول کر چیک کیں۔

روشن جلدی کرو اسے گھر لے چلو۔ اس پر غشی طاری ہے۔

ڈاکٹر عرفان نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

اتنی دیر میں اکبر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا اس نے ڈاکٹر عرفان کے کہتے ہی گاڑی سٹارٹ کر دی مجید گاڑی میں نہیں بیٹھا تھا وہ ڈاکٹر عرفان کی دور کھڑی گاڑی کی طرف بڑھا تا کہ اسے گھر لے جا سکے۔

☆

لبنیٰ کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے سامنے اپنی امی فریدہ کو بیٹھے پایا وہ خالی خالی نگاہوں سے انہیں دیکھتی رہی انہوں نے لبنیٰ کی آنکھیں کھلی دیکھ کر اسے بہت محبت سے دیکھا پھر جھک کر اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا اور محبت سے پوچھا میری چندا کیسی ہو؟

لبنیٰ نے کوئی جواب نہ دیا اس نے ماں کی طرف خالی خالی نگاہوں سے دیکھ کر آنکھیں جھپکائیں جس کا مطلب فریدہ نے یہ نکالا کہ لبنیٰ کہہ رہی ہے میں ٹھیک ہوں۔

بس ایسا ہی ہو رہا تھا لبنیٰ پر مستقل غشی طاری تھی کبھی کبھی وہ آنکھیں

کھولتی آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھتی اور پھر بند کر لیتی کبھی اس پر بے ہوشی طاری ہو جاتی اور کبھی وہ اپنے آپ ہی آنکھیں بند کر لیتی۔

ڈاکٹر عرفان نے گھر کے ہر فرد کو منع کر دیا تھا کہ وہ لبنیٰ کو زبردستی بولنے پر مجبور نہ کرے اور نہ ہی اس کے سامنے کوئی ایسی بات کی جائے کہ اس کے دل کو ٹھیس پہنچے لبنیٰ کی خوش قسمتی تھی کہ اس کا باپ ڈاکٹر تھا اور اس کا شمار اچھے ڈاکٹروں میں ہوتا تھا اگر وہ نہ ہوتے تو اسے ہسپتال میں داخل کرانا پڑتا اور وہاں اس بے ہوشی کی وجہ بھی بتانا پڑتی، پھر بات یقیناً پولیس تک پہنچتی پولیس اس سلسلے میں کیا کرتی، یہ سب جانتے تھے ان کی پریشانیوں میں مزید اضافہ ہو جاتا۔ پھر یہ بھی ممکن تھا کہ اس شخص سے بدعہدی کی صورت میں لبنیٰ کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی۔

ڈاکٹر عرفان لبنیٰ کا گھر پر ہی علاج کر رہے تھے خاندان والوں کو کچھ معلوم نہ تھا بس یہی معلوم تھا کہ وہ بیمار ہے کیوں بیمار ہے اس سلسلے میں کسی کو کچھ معلوم نہ تھا۔

لبنیٰ نے تھوڑی دیر بعد پھر آنکھیں کھولیں امی پھر سامنے تھیں انہوں نے پوچھا بیٹا جوس پیو گی۔

لبنیٰ نے گردن کے خفیف سے اشارے سے انکار کیا۔

بیٹا تم دن بھر لیٹی رہتی ہو کچھ دیر اٹھ کر بیٹھ جاؤ، تمہیں اٹھا کر بٹھا دوں؟ انہوں نے پوچھا۔

لبنیٰ نے آنکھ کے اشارے سے ہاں کہا۔

فریدہ کو لبنیٰ کی یہ بات بہت اچھی لگی انہوں نے سہارا دے کر اسے بٹھا دیا اور اس کی پشت سے تکیے لگا دیئے لیکن مشکل سے وہ چند منٹ بیٹھی ہوگی کہ اس پر غشی طاری ہونے لگی فریدہ نے جلدی سے اسے لٹا دیا۔

پھر دو تین گھنٹے بعد اسے ہوش آیا تو اس وقت کمرے میں کوئی نہ تھا ابھی وہ گردن اٹھا کر دیکھ ہی رہی تھی کہ فریدہ کمرے میں داخل ہوئیں۔

جاگ گیا، میرا بیٹا۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا اب تو بھوک لگ رہی ہو گی؟ لبنیٰ نے گردن اثبات میں ہلائی۔

فریدہ نے اس کی گردن ذرا سی اٹھا کر جوس کا گلاس اس کے منہ سے لگا دیا لبنیٰ نے تھوڑا سا جوس پیا پھر گلاس سے منہ ہٹا لیا فریدہ نے گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر تولیے سے اس کا منہ صاف کیا اور اس کا سر تکیے پر ٹکا دیا۔

پھر وہ جا کر گرم پانی لے آئیں انہوں نے تولیہ گرم پانی میں بھگو کر اس کے چہرے پر پھیرا۔ اس کے ہاتھ بھی صاف کیے اس اثناء میں لبنیٰ آنکھیں بند کیے لیٹی رہی انہیں نہیں معلوم تھا کہ وہ بے ہوش ہے یا اس

نے خود ہی آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔

جب فریدہ نے اس کے بالوں پر برش پھیرنے کے لئے سر ایک طرف کیا اور اس کے خوبصورت ریشمی بالوں میں برش پھیرا تو لبنیٰ نے آنکھیں کھول دیں فریدہ کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا آئینہ تھا وہ جب بھی اس کے بالوں کو برش کرتی تھیں تو لبنیٰ ان سے آئینہ دیکھنے کو ضرور مانگتی تھی اب بھی اس نے آنکھ کے اشارے سے آئینہ مانگا۔

فریدہ نے وہ چھوٹا سا خوبصورت آئینہ جسے نیچے سے پکڑا جا سکتا تھا لبنیٰ کے ہاتھ میں دے دیا۔

لبنیٰ نے اپنی صورت آئینے میں دیکھی پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھیں بھر آئیں اس نے اپنی آنکھوں کے آنسو چھپانے کے لئے آئینہ منہ پر رکھ لیا۔

فریدہ جانتی تھیں کہ لبنیٰ نے اپنے آنسو چھپانے کے لئے آئینہ منہ پر

رکھ لیا تھا وہ جاننا چاہتی تھیں کہ لبنیٰ آئینہ دیکھ کر کیوں روتی ہے اسے کیا
صدمہ پہنچا ہے فریدہ اس سے بہت سے سوالات کرنا چاہتی تھی لیکن
ڈاکٹر عرفان نے انہیں سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ اس سے کوئی ایسا
سوال نہیں کریں گی جس سے اس کی پریشانی میں اضافہ ہو یا دل دکھے
ڈاکٹر عرفان کی نظر میں ابھی اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ اس سے
کچھ پوچھا جائے ابھی تو محض اس کی دلجوئی کی ضرورت تھی صحت یاب
ہونے کے بعد ہی اس سے کچھ پوچھا جا سکتا تھا۔

وہ آئینہ دیکھتی تو اسے اپنی صورت نظر آتی، وہ بہت حسین لڑکی تھی۔
پرکشش چمکتی آنکھیں سرخ و سفید رنگت بہت گھنے بال وہ اکثر بالوں
کا جوڑا بناتی وہ ہنستی تو اس کے سفید موتیوں جیسے دانت جھلکنے لگتے
نازک، ترشے ہوئے گلابی ہونٹ سانچے میں ڈھلا بدن اس کا حسین
ہونا ہی اسے لے ڈوبا تھا اگر وہ ایک معمولی شکل و صورت کی لڑکی ہوتی

تو یہ سب کا ہے کو ہوتا شادی سے پہلے وہ آئینہ دیکھتی تو اپنی صورت پر
ناز کرتی تھی اور اب اسے آئینے میں اپنی صورت نظر آتی تو دل میں
ایک ٹیس سی اٹھتی اور آنکھوں میں آنسو بھر آتے۔

یہ حسین صورت ہی تھی جس نے اسے روشن سے ملوا دیا تھا روشن نے
جب پہلی بار اسے دفتر میں دیکھا تو وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا تھا وہ تھی ہی
ایسی کہ جو اسے دیکھے بس دیکھتا ہی رہ جاتا اس کے چہرے سے نظر
ہٹانا مشکل ہو جائے روشن اس فرم میں پہلے ہی ملازم تھا وہ ایگزیکٹو تھا
لبنیٰ اس فرم میں براہ راست ایک اچھی پوسٹ پر ملازم ہوئی تھی اس کی
حیثیت بھی کسی ایگزیکٹو سے کم نہ تھی۔

جب روشن نے لبنیٰ کو دیکھا اور لبنیٰ کی نظر روشن پر پڑی تو وہ دونوں پہلی
نظر کے شکار ہو گئے تھے وہ پہلی نظر میں ہی ایک دوسرے کو بھا گئے
تھے لیکن ان دونوں کے درمیان بات چیت کافی عرصے کے بعد

شروع ہوئی۔

وہ روز ہی ایک دوسرے کو دیکھتے تھے لیکن معاملہ ہیلو ہیلو، سے آگے نہ بڑھتا۔

وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے دائرے میں آنا چاہتے تھے لیکن پیش قدمی کرتے ہوئے ڈرتے تھے پھر خود بخود ہی ان دونوں کے درمیان بات چیت شروع ہوگئی دونوں میں سے جس کے پاس بھی وقت ہوتا وہ اٹھ کر دوسرے کے کیبن میں پہنچ جاتا، انہیں نہیں معلوم تھا کہ وہ ایک دوسرے کے قریب کیوں آرہے ہیں یا شاید معلوم تھا۔

جب یوں ہونے لگا کہ انہیں ایک دوسرے کو دیکھے بغیر قرار نہ آتا تو انہیں یقین ہوگیا کہ وہ ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہوگئے ہیں ابھی تک ان دونوں میں سے کسی نے اپنی زبان سے لفظ محبت ادا نہ کیا تھا۔

ایک دن جب لبنیٰ روشن کے کیبن میں بیٹھی چائے پی رہی تھی تو روشن نے اس کی خوبصورت آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا لبنیٰ۔

جی۔لبنیٰ نے پلکوں کی جھالر اٹھائی۔

ہم کب تک خاموش رہیں گے۔

ہم خاموش کہاں ہیں۔لبنیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا خیر آپ اپنے بارے میں تو کہہ سکتے ہیں کیونکہ بولنے کے معاملے میں خاصے کنجوس واقع ہوئے ہیں لیکن میں تو خوب پٹر پٹر بولتی ہوں خوب آپ کے کان کھاتی ہوں میرے بارے میں تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ میں خاموش رہتی ہوں۔

میں نے جو بات کہی ہے اس پر غور کرو۔

کیا کہلوانا چاہتے ہیں مجھ سے۔لبنیٰ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

میں صرف تم سے ہی کہلوانا چاہتا بلکہ خود بھی کہنا چاہتا ہوں یوں تو

ہماری آنکھیں ایک دوسرے کو اچھی طرح پہچاننے لگی ہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ ہمارے درمیان جو کچھ بھی ہے وہ لفظوں میں بیان ہو جائے۔

حلفیہ بیان چاہیے؟ لبنیٰ نے مذاق کیا۔

میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں بالکل سنجیدہ ہوں روشن بولا۔

اچھا بابا ٹھیک ہے فرمائیں گے کیا کہنا چاہتے ہیں۔؟

میں کاغذ پر ایک جملہ لکھتا ہوں تم اس جملے کے نیچے اس کی تصدیق یا تردید کرو گی۔

چلیں ٹھیک ہے۔ لبنیٰ فوراً تیار ہو گئی۔

روشن نے ایک کاغذ پر بڑے خوشخط لفظوں میں ""آئی لو یو۔"

یہ لکھ کر اس نے کاغذ لبنیٰ کے سامنے رکھ دیا لبنیٰ نے بڑی بے قراری

سے اس کاغذ پر نظر ڈالی پھر ایک رنگ حیا اس کے چہرے پر آیا لبنیٰ نے بڑی مخمور نگاہوں سے روشن کو دیکھا اور قلم لینے کے لئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

قلم لیتے ہوئے لبنیٰ کی انگلیاں اس کے ہاتھ سے مس ہو گئیں، اس کے جسم میں کرنٹ سا دوڑ گیا ایک خوشگوار جھٹکا سا لگا لبنیٰ نے قلم سنبھال کر ایک نظر روشن کے لکھے کو دیکھا اس کے چہرے پر پھر حیا کی سرخی دوڑی پھر اس نے تیزی سے روشن کے جملے کے نیچے لکھ دیا۔

لاؤ دکھاؤ۔ روشن نے بے تابی سے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

ایک شرط پر دکھاؤں گی یہ کاغذ۔

وہ کیا؟

آپ اس کاغذ کو دیکھنے کے بعد فوراً پھاڑ دیں گے لبنیٰ نے کہا۔

مجھ پر اعتبار نہیں؟ روشن نے پوچھا۔

اعتبار نہ ہوتا تو اس پر یہ جملہ کیوں لکھتی مجھے آپ پر بہت بھروسا ہے

میں جانتی ہوں آپ اپنی زبان سے کبھی کوئی لفظ نہیں نکالیں گے جس

سے میری عزت مٹی میں ملے میں یہ سب جانتی ہوں پھر بھی خواہش

ہے کہ اس کاغذ کو فوراً تلف کر دیا جائے احتیاط اچھی چیز ہے۔

اچھا ٹھیک ہے مجھے کاغذ تو دو۔ روشن نے بے قراری سے کہا۔

لبنیٰ نے خاموشی سے کاغذ اس کی طرف بڑھایا اور اپنی گردن جھکالی۔

روشن نے اضطرابی کیفیت میں کاغذ پر نظر ڈالی اس نے اس کے

جواب میں لکھا تھا آئی ''لو یوٹو''

یہ جملہ پڑھ کر روشن جھوم گیا، اس نے کاغذ اٹھا کر لبنیٰ کی تحریر کو چوم لیا

روشن کو کاغذ چومتے ہوئے دیکھ کر لبنیٰ اندر ہی اندر سمٹ گئی۔

اس تحریر کو پھاڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ روشن نے بڑی محبت سے کہا۔

پھر اس کا تعویذ بنا کر اپنے گلے میں ڈال لیں۔ لبنیٰ ہنس کر بولی۔

ہاں یہ ہوسکتا ہے روشن نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

کوئی تین چار دن کے بعد لبنٰی نے روشن کے گلے میں دل کی شکل کا ایک لاکٹ پڑا ہوا تھا اس لاکٹ پر ''لو'' لکھا ہوا تھا۔

یہ گلے میں کیا ہے لبنٰی نے لاکٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

محبت کا تعویز۔ روشن نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

کیا مطلب۔ لبنٰی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

اس لاکٹ کے اندر وہ کاغذ محفوظ ہے جس کے بارے میں تم نے پھاڑنے کا حکم دیا تھا۔

واقعی لبنٰی نے بے یقینی سے کہا۔

یقین نہیں آرہا ٹھہرو، تمہیں دکھاتا ہوں۔

روشن نے گلے سے لاکٹ اتار کر لاکٹ کا لاک کھولا اور اسے لبنٰی کی طرف بڑھا دیا لبنٰی نے دیکھا کہ اس میں ایک کاغذ تہ کیا ہوا رکھا تھا وہ

یہ دیکھ کر حیران رہ گئی اس نے تو وہ بات محض مذاق میں کہی تھی۔

کمال کرتے ہیں آپ بھی۔لبنیٰ نے محبت بھرے لہجے میں کہا میں نے تو مذاق کیا تھا۔

محبت میں مذاق جائز نہیں روشن نے مسکرا کر اسے دیکھا باقی سب جائز ہے۔اچھا اس لاکٹ کو آپ نہیں پہنیں گے مجھے لاکٹ پہنے ہوئے مرد زہر لگتے ہیں۔

ٹھیک ہے نہیں پہنوں گا ویسے بھی تم نے کبھی مجھے گلے میں لاکٹ یا زنجیر پہنے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا مجھے خود پسند نہیں لیکن یہ تمہارے حکم کی تعمیل میں تھا تم نے کہا اور میں نے اس تحریر کو تعویز بنا کر گلے میں ڈال لیا روشن لبنیٰ پر اپنی محبت روز روشن کی طرح عیاں کرنا چاہتا تھا۔

بہت محبت ہے مجھ سے؟ وہ بولی۔

اس میں کیا شبہ ہے روشن نے دل پر ہاتھ رکھا۔

اللہ ہماری اس محبت کو نظر بد سے بچائے لبنیٰ نے آنکھیں بند کر کے دعا مانگی آمین۔ روشن نے دل کی گہرائیوں سے کہا۔

محبت کو نظر بد سے بچانا کوئی آسان کام نہیں جہاں محبت ہوتی ہے وہاں نظر بد کا نام لازم نہیں ہے دو انسانوں کو ایک دوسرے کا اسیر دیکھ کر لوگ خواہ مخواہ حسد کرنے لگتے ہیں۔

تاثیر ہے محبت اور حسد ساتھ ساتھ جنم لیتے ہیں۔

ان دونوں کے ساتھ بھی یہی ہوا۔

لبنیٰ اور روشن کی محبت کی خوشبو جلد ہی دفتر میں پھیل گئی لوگوں نے اپنی زبانیں پر ڈال لیں جس کے جو منہ میں آیا اس نے کہا یہ باتیں کسی نہ کسی طرح اڑتی اڑتی لبنیٰ کے کانوں میں بھی پڑ جاتیں اس دفتر میں لبنیٰ کے علاوہ پانچ چھ لڑکیاں اور بھی ملازم تھیں اس کے دوست بھی کافی تھے اس دفتر میں ہر شخص بطور ہمدردی دوسروں کے کہے گئے جملے

انہیں سنا جاتا۔ بعض وقت تو یہ ہوتا کہ وہ اپنے کہے ہوئے جملے دوسروں کے نام سے سنا جاتا۔ اس کے معاملات میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

لتی کو بدنامی سے بہت ڈر لگتا تھا۔ وہ ایک نیک نام لڑکی تھی وہ کسی قیمت پر نہیں چاہتی تھی کہ دفتر کا ہر شخص اس کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کرنا شروع کر دے۔

یہ کیا ہو رہا ہے لتی نے ایک دن پریشان ہو کر کہا۔

اس طرح کے کاموں میں ایسا ہی ہوتا ہے روشن نے ہنس کر ٹالنا چاہا۔

روشن پلیز! لتی نے احتجاج آمیز لہجہ اختیار کر لیا یہ مذاق کا وقت نہیں ہے

کیا ہوا؟ روشن کو بالآخر سنجیدہ ہونا پڑا۔

لوگ ہمارے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کر رہے ہیں۔ لتی نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔ باتیں جو ہم سے ابھی تک سرزد نہیں ہوئیں یہ دفتر کے لوگ ہمارے پیچھے پڑ گئے ہیں۔

کرنے دو ہمارا کیا لیتے ہیں۔ ہمارا ضمیر تو مطمئن ہے۔

ہاں ہمارا ضمیر تو مطمئن ہے لیکن میں بدنامی سے بہت ڈرتی ہوں۔

تمہارا کیا خیال ہے شوکت کو بلا کر ڈانٹ ڈپٹ کر دوں، اس کی زبان کچھ زیادہ چل رہی ہے۔

نہیں کسی سے لڑائی جھگڑا نہیں کرنا ہے لبنیٰ نے اسے سمجھایا۔

ارے اس کی حیثیت کیا ہے وہ اس دفتر میں معمولی کلرک ہے میں اسے کھڑے کھڑے ملازمت سے الگ کر سکتا ہوں اتنا اختیار ہے مجھے روشن نے اپنے اختیارات کی دھمکی دی۔

میں جانتی ہوں لبنیٰ نے کہا لیکن ایسا ہرگز نہیں کرنا ہے اس طرح لوگ ہماری جان کے دشمن بن جائے گے۔

پھر کیا کرنا ہے۔

میری امی تمہیں چائے پر کیوں نہ بلا لیں؟ لبنیٰ نے اسے ترچھی نظروں

سے دیکھا۔ ایسا ہو جائے تو پھر فساد کی جڑ ہی ختم ہو جائے روشن خوش ہوتا ہوا بولا۔ پھر میں کب آؤں تمہارے گھر؟ اس نے لبنیٰ کی بات سمجھتے ہوئے پوچھا۔

میں اکثر تمہارا ذکر گھر پر کرتی ہوں اس ذکر سے انہوں نے کچھ اندازہ ضرور لگایا ہوگا میرے ابو امی بہت اچھے ہیں انہوں نے مجھے اپنے بارے میں فیصلے کا اختیار دے رکھا ہے اور اب وقت آ گیا ہے کہ میں انہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر دوں لبنیٰ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

ویسے آپ کی طرف کیا پوزیشن ہے۔؟

دونوں ہی گھر میں دونوں کی پوزیشن اچھی تھی دونوں کے والدین نے سماج کی دیوار بننے کی کوشش نہیں کی، اس طرح دونوں کے ہاتھوں میں ایک ایک عدد انگوٹھی آ گئی۔

لیکن کسی کو ان کا یہ بندھن پسند نہ آیا، اس نے ڈاکٹر عرفان کو ٹیلی فون

کر کے روشن کے بارے میں رائے خراب کرنے کی کوشش کی لیکن بات بنی نہیں۔

وہ کون تھا یا وہ کون لوگ تھے جو روشن اور لبنیٰ کو ایک ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتا یا دیکھ سکتے تھے اس کے بارے میں روشن اور لبنیٰ اندازہ نہ لگا سکے انہیں یہ اندازہ تو تھا کہ دفتر کے لوگوں میں سے ہی کسی کی حرکت ہے لیکن یہ مذموم حرکت کس کی ہے باوجود کوشش کے کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

بہر حال وہ جو بھی تھا بڑا باخبر آدمی تھا لبنیٰ اور روشن کو اب اس سے خوف آنے لگا تھا یہ ٹھیک تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے ایک دوسرے کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھے لیکن کب کوئی غلط فہمی ان کے دلوں میں گھر کر جائے اس کا دھڑ کا ہر وقت لگا رہتا تھا۔

لبنیٰ کے کہنے پر روشن نے اس فرم کے مالک راؤ حمید سے بھی کی تھی۔

راؤ حمید نے روشن کی تمام باتیں سن کر ایک زوردار قہقہہ لگایا تھا اور کہا تھا۔ دنیا اسی کا نام ہے روشن یہاں کوئی شخص سامنے والے کو خوش نہیں دیکھ سکتا اب تم مجھے ہی دیکھ لو میں اپنے کام سے کام رکھتا ہوں لیکن پھر بھی لوگ میرے کاروبار کے پیچھے پڑے رہتے ہیں کچھ اور نہیں ملتا تو الزامات ہی لگا دیتے ہیں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ میرا تعلق ڈرگ مافیا سے ہے اب اگر میں ان کاروباری حاسدوں کی باتوں کا اثر لینے لگوں تو دفتر کے بجائے ہسپتال میں نظر آؤں اس لئے تمہارے لئے میرا مشورہ ہے کہ پریشان ہونا چھوڑ دو۔ تمہیں جو کرنا ہے کرو تمہاری منگنی ہو گئی ہے بس اب شادی بھی کر ڈالو تاکہ جلنے والے جل کر کباب بن جائیں۔

راؤ حمید کے بارے میں دفتر والوں کی بڑی متضاد آراء تھیں کچھ لوگ انہیں بڑا نیک نفس، شریف اور ہمدرد قسم کا آدمی سمجھتے تھے تو کچھ لوگ

انہیں شہر کا ایک بڑا اسمگلر اور منشیات فروش جانتے تھے۔

راؤ حمید پچاس کے پیٹے میں تھے بڑھاپا ان کے چہرے سے ظاہر ہونے لگا تھا ان کی صورت ایک غیر ملکی اداکار سے ملتی تھی لیکن ان کا اداکاری کے پیشے سے کوئی تعلق نہ تھا وہ ایک کامیاب بزنس مین تھے لیکن اداکاری صرف کیمرے کے سامنے ہی تو نہیں ہوتی، بعض لوگ دنیا کے سٹیج پر بھی اداکاری کرتے ہیں راؤ حمید بھی انہی اداکاروں میں سے ایک تھے۔

لبنیٰ نے ان کا نام مسٹر ہیروز رکھ چھوڑا تھا جوان رہے ہوں گے تو یقیناً کسی ہیرو سے کم نہ ہوں گے اس بڑھاپے میں بھی وہ اپنے لباس کا خاص خیال رکھتے تھے ان کا اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا بات کرنا، کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے ان کی ایکٹنگ ظاہر نہ ہوتی ہو وہ پکے ایکٹر تھے۔

راؤ حمید نے لبنیٰ کو ایک تقریب میں دیکھا تھا جب دیکھا تھا اس وقت

طے کرلیا تھا کہ اسے اپنے دفتر میں سجا کر رہیں گے جب انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ لبنیٰ کس کی بیٹی ہے تو پھر اس تک پہنچنا اتنا مشکل نہ رہا لبنیٰ ان دنوں خود جاب کی تلاش میں تھی ڈاکٹر عرفان اسے ڈاکٹر بنانے کے خواہش مند تھے لیکن لبنیٰ کا اس طرف رجحان نہ تھا رجحان نہ دیکھ کر ڈاکٹر عرفان اسے ڈاکٹر نے اسے آزاد چھوڑ دیا لبنیٰ نے انگریزی میں ایم اے کرلیا اور اب وہ کسی مناسب روزگار کی تلاش میں تھی کہ ڈاکٹر عرفان کے ایک دوست لبنیٰ کے لئے ایک پرکشش ملازمت لے آئے لبنیٰ نے فوراً ہاں کردی اور اس طرح وہ راؤ حمید کی پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت سے کام کرنے لگی۔

راؤ حمید پہلی نظر میں لبنیٰ کو اچھے آدمی لگے راؤ حمید کے مہذب ہونے میں کوئی کلام نہ تھا وہ سامنے والے کو بہت عزت دینے والے آدمی تھے اس لئے لبنیٰ کا پہلا تاثر ان کے بارے میں اچھا قائم ہو گیا۔

لبنٰی کو ان سے کوئی خطرہ نہ تھا کیونہ وہ خود سے بے تکلف ہونے والی

لڑکیوں میں سے نہ تھی وہ تو یونیورسٹی سے بھی بغیر افیئر کے نکل آئی تھی

اس نے یونیورسٹی میں کئی افیئر چلتے دیکھے تھے کئی محبتیں پروان چڑھتی

دیکھی تھیں ان محبت کرنے والوں کو اچھے اچھے مشورے بھی دیئے

تھے۔

لیکن خود اس کا دامن محبت سے خالی رہا تھا وہ بہت خوبصورت لڑکی تھی

اس کے حسن سے متاثر ہو کر کئی لڑکوں نے اس کے قریب آنے کی

کوشش کی تھی لیکن لبنٰی نے انہیں توجہ کے قابل نہ سمجھا لبنٰی مردوں میں

ظاہری حسن دیکھنے کی عادی نہ تھی وہ ظاہری حسن کے بجائے ذہن کی

خوبصورتی پسند کرتی تھی اسے حسین مردوں کے مقابلے میں ذہین مرد

زیادہ پسند تھے یونیورسٹی سطح پر اسے جو لڑکے ملے ان میں ایک آدھ

سمارٹ تو تھا لیکن اس کی ذہنی سطح بلند نہ تھی یہی وجہ تھی کہ یہ ملاقاتیں

ابتدائی ملاقاتوں سے آگے نہ بڑھ سکیں اور لبنیٰ پورے اطمینان سے اپنی کوئی چیز کھوئے بغیر یونیورسٹی کو خیر باد کہہ آئی۔

یہ اتفاق ہی تھا کہ روشن اسے اپنے آئیڈیل کی جھلک نظر آ گئی یہی وجہ تھی کہ وہ اس کی طرف مقناطیس کی طرح کھینچتی گئی روشن خوبصورت تو تھا ہی ساتھ ہی ذہین بھی تھا شائستہ اطوار اور مہذبانہ رویے کا حامل تھا وہ کیوں کر اسے پسند نہ کرتا۔

راؤ حمید کو دیکھ کر اس کے بارے میں مختلف لوگوں کی رائے سن کر اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ بے ضرر آدمی ہے وہ آدمی کو اس وقت تک نہیں کاٹتا جب تک کوئی اس کی دم پر پیر نہ رکھ دے لبنیٰ کو بھلا کیا ضرورت تھی کہ سوئے ہوئے کتے کی دم پر خواہ مخواہ پیر رکھ کر گزرتی۔

شروع شروع میں تو معاملات ٹھیک رہے راؤ حمید اسے اپنے کمرے میں کم سے کم بلواتے اور جب بلواتے تو لبنیٰ محسوس کرتی کہ وہ کام کی

بات کر کے جلد از جلد اسے فارغ کرنے کے لئے کوشاں رہتے ان کی آنکھوں میں بھی کسی قسم کی کوئی چمک نظر نہ آتی۔

لیکن آہستہ آہستہ اس رویے میں تبدیلی آنے لگی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اسے دیر تک اپنے کمرے میں بٹھانے لگے اب لبنیٰ محسوس کرتی کہ جیسے انہیں کام کی بات کرنے کی زیادہ جلدی نہیں ہے انہیں بولنے کی کم عادت تھی لیکن جو بولتے اچھا بولتے تھے آدمی کا جی چاہتا کہ وہ ان کی باتیں دلچسپی سے سنے لیکن لبنیٰ کو ان کی دلچسپ باتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ اپنے کام سے کام رکھنا چاہتی تھی لیکن ساتھ ہی اسے یہ بھی اندازہ تھا کہ وہ راؤ حمید کی ملازم ہے اور ملازم، ملازم ہی ہوتا ہے مالک نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ خاموشی سے ان کی باتیں سنتی رہتی۔

پھر لبنیٰ کو یہ اندازہ کرتے دیر نہ لگی کہ راؤ حمید کی آنکھوں کا زاویہ بدل

رہا ہے لیٹر لکھواتے ہوئے یا کاغذات پر دستخط کرتے ہوئے اچانک وہ لبنیٰ کو غور سے دیکھنے لگتے اس دیکھنے میں ایک خاص دلچسپی کا عنصر ہوتا آنکھوں میں وہی چمک ہوتی جو ایک مرد کی نگاہوں میں ایک عورت کے لئے ہوتی ہے۔

اب راؤ حمید اس کے لباس پر تبصرے کرنے لگے تھے پھر وہ اس کے حسن کی تعریف میں ایک آدھ جملہ بولنے لگے لبنیٰ ان باتوں کو سنجیدگی سے نہ لیتی بس سرسری سا شکریہ ادا کر کے انہیں کام کی طرف متوجہ کر دیتی اب وہ لبنیٰ کو دفتر کا وقت ختم ہونے کے بعد بھی بٹھانے لگے تھے جو کاغذات یا خطوط وہ دن میں نبٹا کر اسے فارغ کر سکتے تھے وہ کاغذات یا خطوط اب شام کے وقت لے کر بیٹھنے لگے تھے لبنیٰ دفتر میں رکنے پر مجبور ہوتی کیونکہ کام پھر کام تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ دفتر میں دیر تک بیٹھنے کا سلسلہ بڑھتا ہی گیا

اب وہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ اسے اپنے کمرے میں بٹھانے لگے تھے دفتر سے وہ باہر نکلتی تو سناٹا چھایا ہوا ہوتا، سب لوگ جا چکے ہوتے بس ایک چپراسی موجود ہوتا جوان لوگوں کے اٹھنے کے بعد دفتر بند کرتا۔

دفتر سے نکلنے کے بعد راؤ حمید اسے گھر پر چھوڑتے پھر اپنے گھر جاتے شروع شروع میں اس نے تکلف کیا تھا اور راؤ حمید کی پیش کش کے باوجود اس نے رکشا سے جانا مناسب سمجھا تھا لیکن یہ ایک دن کی بات نہ رہی تھی روز کا معمول ہو گیا تھا اور دیر اتنی ہو جاتی کہ کسی کنوینس کا ملنا بھی آسان نہ رہتا وہ رات کے وقت کسی کنوینس کی تلاش میں سڑک پر نہیں کھڑی ہو سکتی تھی اس لئے وہ راؤ حمید کے ساتھ ہی چلی جاتی تھی۔

دفتر میں دیر تک رکنے کی وجہ سے لبنیٰ کو سخت ذہنی کوفت ہونے لگی تھی وہ بار بار روشن سے اپنی الجھن کا ذکر کرتی کئی مرتبہ اس نے سوچا کہ

استعفیٰ دے کر بیٹھ جائے لیکن روشن اسے ہمیشہ سمجھاتا اور اسے کوئی انتہائی اقدام اٹھانے سے باز رکھتا وہ نہیں چاہتا تھا کہ لبنیٰ ملازمت چھوڑ کر جائے ابھی وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں بسنے کی کوشش کر رہے تھے اگر وہ چلی جاتی تو روشن کے خواب بکھر جاتے اس نے لبنیٰ سے شادی کرنے کا ارادہ کرلیا تھا اور یہ خواہش اسی صورت پوری ہو سکتی تھی کہ لبنیٰ ملازمت کرتی رہے روشن کو راؤ حمید کی طرف سے کوئی خطرہ نہ تھا وہ ان کو بے ضرر جانتا تھا اور ایک شریف آدمی مانتا تھا اس بات کی تصدیق لبنیٰ نے بھی کی تھی اگر ان کے ذہن میں کوئی فتور ہوتا تو اب تک سامنے آچکا ہوتا۔

راؤ حمید کی لڑکیوں کے بارے میں ایک خاص تکنیک تھی وہ ایک ماہر کھلاڑی تھے وہ ہر لڑکی کے مزاج کے مطابق پیش قدمی کرنے کے عادی تھے حسین لڑکیاں ان کی کمزوری تھیں اور ان کمزوریوں سے

فائدہ اٹھانے کی صلاحیت ان میں بدرجہ اتم موجود تھی۔

وہ بے ضرر آدمی نہ تھے لیکن بظاہر بے ضرر دکھائی دیتے تھے لبنیٰ پر ان کی خاص نظر تھی اس کے بارے میں انہوں نے ایک فیصلہ کر لیا تھا انہوں نے طے کیا تھا کہ پہلے اسے باتوں سے رام کرنے کی کوشش کریں گے اگر باتوں سے رام نہ ہوئی تو پھر اس پر جال ڈالیں گے ابھی وہ جنگل کی مورنی کو دانہ کھلا رہے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ وہ غافل ہو تو جال پھینکیں۔

پھر انہیں جلد ہی احساس ہو گیا کہ ان کا دانہ بے کار جا رہا ہے وہ دام میں آنے والی نہیں ایک ایک کر کے انہوں نے اپنے تمام حربے آزما ڈالے تھے لیکن لبنیٰ کی شخصیت کو گہنا نہ سکے تھے ان کے ہر حملے پر لبنیٰ نے شیرنی کی طرح پنجے نکال لیے تھے ان کی تمام پیش قدموں کو لبنیٰ نے بڑی ہوشیار سے روک لیا تھا۔

شاید ان کی کوشش کبھی کارآمد بھی ہو جاتی، لیکن درمیان میں روشن آ گیا جلد ہی انہیں معلوم ہو گیا کہ لبنیٰ روشن میں اور روشن لبنیٰ میں دلچسپی لے

رہا ہے۔

روشن اپنے کیبن میں سے جو بات کرتا، وہ حرف بہ حرف راؤ حمید کے کانوں تک پہنچ جاتی لبنیٰ جیسے ہی روشن کے کیبن میں داخل ہوتی تو راؤ حمید کا مخبر فوراً اس کے کمرے میں جا کر اطلاع دیتا، سر وہ روشن صاحب کے پاس پہنچ گئی ہیں۔

اس اطلاع پر وہ اپنے مخبر کی شکل دیکھتے ہوئے معنی خیز انداز میں گردن ہلاتے اور کہتے۔تم جاؤ۔اور دیکھو اندر کوئی نہ آنے پائے۔

مخبر جو اس فرم کا سب سے پرانا چپراسی تھا وہ بڑے مودبانہ انداز میں گردن ہلاتا ہوا کمرے سے نکل جاتا اس کے جانے کے بعد وہ میز کی دراز سے ٹرانسسٹر جیسی چیز نکالتے سوئی گھما کر سیٹ کرتے اور پھر

بڑے اطمینان سے روشن کے کیبن میں ہونے والی گفتگو سنتے رہتے۔
اس طرح وہ باتیں جو صرف وہ دونوں جانتے تھے ٹیلی فون پر ڈاکٹر عرفان کو بتا دی جاتیں تو وہ بڑے حیران ہوتے منگنی کی خبر ان دونوں نے بڑی سیکرٹ رکھی تھی لیکن وہ اطلاع بھی ڈاکٹر عرفان کو مشورے کی شکل میں پہنچا دی گئی۔
وہ دونوں بہت حیران ہوتے آخر وہ کون شخص ہے جو ان دونوں کی سانسوں کے درمیان بیٹھا رہتا ہے وہ اگر کھانستے بھی ہیں تو اسے معلوم ہو جاتا ہے۔
اب راؤ حمید کی زیادتیاں بڑھتی ہی جا رہی تھیں ایک دو مرتبہ جب راؤ حمید نے اسے بے تکلف کرنے کی کوشش کی تو لبنیٰ نے بڑے نرم لہجے میں انہیں باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ ذرا مختلف قسم کی لڑکی ہے اسے اس طرح کے بیہودہ مذاق بالکل پسند نہیں ہیں۔

لبنیٰ کی طرف سے کھنچاؤ دیکھ کر وہ ذرا ٹھہر جاتے لیکن کچھ دنوں کے بعد پھر سے اپنی کارروائی شروع کر دیتے ایک دن انہوں نے حد ہی کر دی منگنی کی انگوٹھی دیکھتے ہوئے انہوں نے بڑی بے تکلفی سے لبنیٰ کا ہاتھ تھام لیا۔

لبنیٰ کو بہت طیش آیا۔ اس کا جی چاہا کہ اٹھ کر اپنے پیر سے سینڈل نکالے اور تڑ اتڑ راؤ حمید کے سر پہ برسانا شروع کر دے لیکن اس نے اپنے غصے کو ضبط کیا اور آہستگی سے ان سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی لیکن راؤ حمید نے اس کا ہاتھ چھوڑنے کے بجائے اور مضبوطی سے تھام لیا۔

پلیز راؤ صاحب۔ میرا ہاتھ چھوڑ دیں، اس نے سخت لہجے میں کہا۔

ارے آپ کو تو غصہ آ گیا لیجئے چھوڑ دیتے ہیں میں تو آپ کے ہاتھ کی لکیریں دیکھنا چاہتا تھا۔

مجھے ہاتھ کی لکیریں دکھانے کا بالکل شوق نہیں میں جانتی ہوں کہ میری قسمت میں کیا لکھا ہے لبنیٰ نے اٹھتے ہوئے کہا اچھا اب میں چلتی ہوں کافی دیر ہوگئی۔

اور پھر لبنیٰ نے راؤ حمید کا جواب بھی نہیں سنا تیزی سے ان کے کمرے سے نکل آئی اس کے کمرے سے نکلنے کے بعد راؤ حمید نے ایک گہرا سانس لیا اور خود کلامی کے انداز میں بولے بے وقوف لڑکی تجھے کیا معلوم کہ تیری قسمت میں کیا لکھا ہے یہ میں جانتا ہوں کہ تیری قسمت میں کیا لکھا ہے اور جو کچھ لکھا ہے وہ اتنا خوشگوار نہیں ہے۔

راؤ حمید بہت ضدی آدمی تھے بہت شاہانہ مزاج پایا تھا انکار سننا تو ان کی برداشت سے باہر تھا جو چیز انہیں پسند آ جاتی، اسے حاصل کر کے چھوڑتے چاہے اس کے لئے انہیں کچھ بھی کرنا پڑتا لبنیٰ کا انہوں نے ہاتھ پکڑنا چاہا تھا لیکن وہ ہاتھ چھڑا کر بھاگ گئی تھی اور ہاتھ ملتے رہ

گئے تھے انہیں لبنیٰ کی اس حرکت پر بہت غصہ آیا تھا لیکن انہوں نے سوچ لیا تھا کہ کہ آئندہ کیا کرنا ہے وہ بہت شاطر آدمی تھے انہوں نے دوسرے دن لبنیٰ کو کسی قسم کا احساس نہ ہونے دیا کہ کل اس کا اس طرح چلے جانا انہیں سخت ناگوار گزرا ہے آہستہ آہستہ وہ نارمل ہو گئے اب انہوں نے اسے دفتر کے بعد بٹھانا بند کر دیا تھا اور انتہائی شائستگی سے پیش آنے لگے تھے لبنیٰ خوش تھی کہ اس نے ایک عفریت کو آسانی سے قابو میں کر لیا تھا۔

لبنیٰ نے ہاتھ پکڑنے والی بات روشن کو نہیں بتائی تھی اس نے سوچا خواہ مخواہ اس کا ذہن خراب ہو جائے گا ویسے بھی راؤ حمید نے اب سیدھی راہ اختیار کر لی تھی اگر وہ اب بھی ٹیڑھی راہ پر گامزن ہوتے تو وہ ضرور روشن کے علم میں لے آتی، اور ملازمت بھی چھوڑ دیتی۔

وہ کچھ نہ کر پائی لیکن وقت نے اپنا ہاتھ دکھا دیا۔ وقت کی ایک ٹھوکر

سے لبنیٰ کی دنیا تہ و بالا ہو گئی وہ دنیا جو ابھی بسنے بھی نہ پائی تھی۔

اب وہ بستر علالت پر لیٹی تھی۔ اور آئینہ اس کے دکھوں کا مداوا بن گیا تھا وہ آئینہ دیکھتی تو اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو آ جاتے لبنیٰ کے دل میں آگ لگی تھی وہ اس آگ کو ٹھنڈا کرنا چاہتی تھی وہ شعلے جو اس کی آنکھوں میں ناچ رہے تھے ان شعلوں کو وہ کسی اور آنکھ میں رقصاں دیکھنا چاہتی تھی لیکن وقت اسے مہلت ہی نہیں دے رہا تھا اس پر مسلسل بے ہوشی کے دورے پڑ رہے تھے اسے یہ بھی اندازہ نہ تھا کہ اسے کون کب دیکھنے آتا ہے جب وہ ہوش میں آتی تو اس کے لبوں پر جیسے مہر لگ جاتی اسے یوں محسوس ہوتا جیسے کسی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔

دکھ تھا کہ بڑھتا ہی جاتا تھا۔

ایک دن جب اسے ہوش آیا تو اس نے اپنے سامنے روشن کو بیٹھا پایا۔

روشن اسے دیکھنے بڑی پابندی سے آتا تھا وہ دفتر سے سیدھا لبنیٰ کے

گھر آجاتا اور پھر اس کے سرہانے دو تین گھنٹے بیٹھ کر جاتا وہ جب بھی

آتا لبنیٰ اسے بے ہوشی میں ملتی ایک آدھا بار وہ ہوش میں بھی ملی تو کوئی

بات نہ ہو پائی روشن اس کا ہاتھ پکڑ نے اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔

وقت گزرنے کے ساتھ بے ہوشی کے دوروں میں بھی اضافہ ہوتا جارہا

تھا اب لبنیٰ مسلسل کئی کئی دن تک بے ہوش رہنے لگی تھی۔

آج وہ ہوش میں آئی تو سامنے روشن تھا کمرے میں اس وقت اس کے

علاوہ کوئی نہ تھا لبنیٰ نے اشارے سے اسے دروازہ بند کرنے کو کہا

روشن نے اٹھ کر فوراً دروازہ بند کر دیا پھر لبنیٰ نے اسے اپنے قریب بٹھا

کر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دے دیا روشن نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

پھر اس نے آہستہ آہستہ رک رک کر وہ سب کہہ دیا جو وہ آئینے سے

کہتی رہتی تھی وہ سب کچھ بتا کر جو اس کے دل میں ابل رہا تھا اسے

سکون مل گیا وہ پھر سے ہوش گنوا بیٹھی۔

لبنیٰ کو کس نے اغوا کیا تھا اور وہاں اس کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا وہ سن کر روشن کے ہونٹ سختی سے بھینچ گئے مٹھیاں بند ہو گئیں پیشانی پر بل پڑ گئے آنکھوں میں آگ دہک اٹھی۔

اس نے دل ہی دل میں طے کیا کہ وہ اسے کسی قیمت پر زندہ نہیں چھوڑے گا اس نے لبنیٰ کو روشن سے چھین کر اس کی عزت پامال کی تھی اب وہ اس کی زندگی پامال کر کے رہے گا۔

جب روشن لبنیٰ کے گھر سے نکلا تو اس کا سینہ انتقام کی سوزش سے پھنک رہا تھا لبنیٰ اس کی محبت تھی آدھی زندگی تھی اس کی بیوی تھی اس نے سوچ لیا تھا اچھی طرح سوچ لیا تھا کہ کیا کرنا ہے۔

اس وقت رات کے ساڑھے سات بجے تھے۔

راؤحمید دفتر میں اکیلے تھے انہیں بڑی بے چینی سے روشن کا انتظار تھا وہ بظاہر بڑے پرسکون انداز میں چار انچ کے ٹی وی پر جوان کی میز کی بائیں ایک ریک میں رکھا تھا موسیقی کا پروگرام دیکھ رہے تھے گاہے گاہے وہ دیوار پر گلے وال کلاک پر نظر بھی ڈالتے جاتے تھے۔

روشن نے ٹھیک سات بجے دفتر پہنچنے کا وعدہ کیا تھا وہ راؤحمید سے کسی لڑکی کو ملوانے لا رہا تھا روشن نے لبنیٰ کی تشویشناک صورت حال کے پیش نظر اس کا استعفیٰ پیش کر دیا تھا اور ساتھ ہی کہا تھا کہ اپنی ایک رشتے دار لڑکی کو راؤحمید سے ملوائے گا انٹرویو کے بعد لڑکی اگر انہیں پسند آ جائے تو اسے پرائیویٹ سیکرٹری کے طور پر ملازم رکھ لیں اس نے لڑکی کا ذکر کرتے ہوئے جہاں اس کی قابلیت کا ذکر بیان کیا تھا وہاں غیر محسوس طریقے سے اس کے حسن کی بھی بے پناہ تعریف کی تھی

راؤ حمید کسی حسین لڑکی کا ذکر سن کر اندر ہی اندر مچل رہے تھے اور انہوں نے فوراً ہی اس سے ملنے کا وقت دے دیا تھا روشن نے راؤ حمید کی بے چینی کو سمجھتے ہوئے کہا تھا کہ دفتری اوقات میں وہ اس لڑکی سے ملوا دے گا لیکن انہوں نے کہا تھا کہ آج شام کو وہ دفتر میں دیر تک رہیں گے لہٰذا وہ آج شام کو اس لڑکی کو لے کر آ جائے وہ فوری طور پر کسی لڑکی کو رکھنا چاہتے تھے کیونکہ پرائیویٹ سیکرٹری کے بغیر وہ بالکل مفلوج ہو کر رہ گئے تھے۔

روشن بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ دفتر کے اوقات کے بعد اسے وقت دیں اگر وہ ایسا نہ کرتے تو وہ خود کوئی بہانہ کر کے دفتر کے بعد کا وقت مقرر کرواتا۔

ساڑھے سات بج رہے تھے راؤ حمید کسی نئی لڑکی سے ملنے کے خیال سے ایک ہیجانی کیفیت میں مبتلا تھے ٹیلی ویژن سکرین پر نظریں تھیں

لیکن کھلی آنکھوں وہ پر کیف خواب دیکھنے میں مصروف تھے۔

ادھر روشن، اکبر اور مجید دفتر کے دروازے تک آ پہنچے تھے روشن کو معلوم تھا کہ اس وقت دفتر میں راؤ حمید کے علاوہ دفتر کا پرانا چپراسی معصوم علی ہوگا روشن کو معلوم تھا کہ معصوم علی محض نام کا ہی معصوم تھا، کام اس کے بڑے ظالمانہ تھے وہ سٹاف کی مخبری پر مامور تھا۔

وہ دروازہ کھول کر تیزی سے اندر آئے تینوں کے چہروں پر نقاب تھے

پورا دفتر خالی پڑا تھا اور معصوم علی ایک کرسی پر بیٹھا آرام سے سگریٹ کے کش لے رہا تھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتا وہ تینوں اس کے سر پہنچ گئے اکبر نے پستول کی کھوپڑی سے لگا دی روشن نے اسے کچھ بولنے کا موقع نہ دیا اس نے جیب سے رومال نکال کر اس کی ناک پر رکھ دیا اور اس وقت تک نہ ہٹایا جب تک اس کی گردن نہ ڈھلک گئی۔

اسی وقت راؤ حمید نے معصوم علی کو بلانے کے لئے گھنٹی بجائی، فوراً ہی

دروازہ کھلا راؤ حمید نے یہ دیکھے بغیر کہ کون اندر آیا ہے کہا۔

معصوم علی دیکھو روشن صاحب آنے والے ہیں وہ جیسے ہی آئیں انہیں فوراً اندر بھیج دینا راؤ حمید کی آنکھیں ٹیلی ویژن سکرین پر تھیں۔

میں آگیا ہوں سر۔ روشن نے کہا اس نے چہرے سے نقاب ہٹا دیا تھا۔

ارے راؤ حمید کو بڑی حیرت ہوئی اور جب انہوں نے اپنی کرسی دروازے کی جانب موڑی تو انہیں روشن کے ساتھ دو آدمی اور نظر آئے کسی لڑکی کا دور تک پتا نہ تھا۔

کیا بات ہے روشن؟ روشن کو دو آدمیوں کے ساتھ دیکھ کر ان کے ہوش اڑنے لگے تھے لیکن انہوں نے سنبھالا لینے کی کوشش کی۔

کوئی بات نہیں سر۔ روش نے بڑے اطمینان سے کہا آپ سے ملنے کا وقت مقرر تھا نا دیکھ لیجئے میں مقررہ وقت پر یہاں پہنچ گیا ہوں۔

یہ کہہ کر روشن نے کوٹ کی جیب سے پستول نکال لیا۔

یہ کیا ہے؟ راؤ حمید کی آواز گھٹنے لگی۔

یہ پستول ہے سر ابھی دو تین دن پہلے خریدا ہے ہوسکتا ہے وہ آپ ہی کے آدمی ہوں۔

میں اس طرح کا کاروبار نہیں کرتا۔ راؤ حمید نے جھجکتے ہوئے کہا۔

اب مجھے اچھی طرح اندازہ ہو گیا ہے کہ آپ کس قسم کا کاروبار کرتے ہیں میں نے آپ کے اندر کے آدمی کو اچھی طرح پہچان لیا ہے روشن نے راؤ حمید پر پستول تانتے ہوئے کہا میری بیوی لبنیٰ کے ساتھ آپ نے جو کچھ کیا میں اسے زندگی بھر نہیں بھول سکتا آپ سمجھتے تھے کہ چہرے پر نقاب چڑھا کر..........اور نشہ آور انجکشن لگا کر پورے اطمینان سے اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنالیں گے اور کوئی آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا کوئی آپ کو پہچان نہ سکے گا لیکن لبنیٰ نے آپ کو نقاب پہنے

اور اپنی غشی کے باوجود پہچان لیا جانتے ہیں کیسے۔؟

روشن یہ تم کس قسم کی باتیں کر رہے ہو راؤ حمید نے کمزور سی آواز میں نکالی۔

جانتے ہیں اس نے کیسے آپ کو پہچان لیا؟ اس انگوٹھی کی وجہ سے جو اس وقت بھی آپ کے ہاتھ میں ہے روشن یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

انگوٹھی کا ذکر سن کر راؤ حمید نے اپنا بایاں ہاتھ فوراً میز سے ہٹا کر اپنے کوٹ کی جیب میں چھپا لیا اور روشن کی طرف خالی خالی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

روشن نے آگے بڑھ کر پستول ان کی کنپٹی سے لگا دیا۔

راؤ حمید! خاموشی سے بیٹھے رہنا ہلنا جلنا مت۔ ورنہ اپنی موت کو بہت نزدیک پاؤ گے۔

راؤ حمید نے اپنی موت کو بہت نزدیک دیکھ لیا تھا موت اس کی کنپٹی

سے لگی کھڑی تھی موت کو اتنے قریب پا کر اس کی رگوں میں خون ٹھنڈا ہونے لگا اس نے کچھ بولنے کی کوشش کی لیکن زبان نے ساتھ نہ دیا وہ میں میں۔ کر کے رہ گیا۔

راؤ حمید تو ایک گھناؤنے کردار کا آدمی ہی نہیں گھناؤنے کاروبار کا مالک بھی ہے بس اب کھیل ختم ہوا تو نے لبنیٰ کا جسم ہی پامال نہیں کیا، اس کی روح بھی زخمی کر دی ہے وہ معصوم لڑکی موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا ہے وہ اپنے ہوش گنوا بیٹھی ہے تو نے راؤ حمید ہمارے ساتھ بہت برا کیا ہے تو نے ہمیں کس قدر نقصان پہنچایا تجھے اس کا اندازہ نہیں بہر حال اب اپنے کیے کو بھگت۔ یہ کہہ کر وہ ایک لمحے کو خاموش ہوا پھر اکبر سے مخاطب ہو کر بولا چلو اکبر اپنا کام کرو۔

روشن! کیا کرنے والے ہو؟ راؤ حمید نے کانپتی آواز میں بمشکل کہا۔

ہم تمہیں ایک نشہ آور انجکشن لگائیں گے اتنی زیادہ مقدار میں کہ تمہیں

تین دن تک ہوش نہیں آئے گا تمہارے بے ہوش ہوتے ہی ہم تمہیں اس پلازہ کی ساتویں منزل سے نیچے پھینک دیں گے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کہے گی کہ تم نے نشہ آور انجکشن لگا کر کھڑکی سے کود کر خودکشی کر لی روشن نے اسے پورے اطمینان سے بتایا۔

پھر منصوبے پر عمل کرنے میں بمشکل سے دو تین منٹ لگے انجکشن لگتے ہی راؤ حمید پر بے ہوشی طاری ہوگئی روشن نے پستول کا دستہ مار کر کھڑکی کا شیشہ توڑا پھر اس نے اپنے بھائی مجید کی مدد سے راؤ حمید کو اٹھایا اور کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

روشن نے اسے سر کے بل زمین پر گرتے دیکھا جب وہ سڑک پر جا کر پڑا تو ایک ہلکی سی دھپ کی آواز آئی۔

پھر اکبر نے بے ہوش معصوم علی کو راؤ حمید کے کمرے میں ڈالا اور وہ تینوں پورے اطمینان سے دروازے سے نکل گئے۔

جب وہ لوگ اپنی گاڑی لے کر راؤ حمید کی لاش کے پاس سے گزرے
تو وہاں آٹھ دس آدمی جمع ہو چکے تھے اور وہ بار بار اوپر سر اٹھا کر دیکھ
رہے تھے شاید یہ اندازہ کر رہے تھے کہ یہ شخص کہاں سے گرا ہے۔
اکبر کے منع کرنے کے باوجود روشن گاڑی سے اترا، اس نے دو
آدمیوں کے کندھوں کے پیچھے راؤ حمید کو چاروں خانے چت پڑے
دیکھا اس کی لاش کے گرد خون پھیلا ہوا تھا۔
روشن نے راؤ حمید کی لاش کو دیکھ کر ایک ٹھنڈا سانس لیا اور پھر تیزی
سے گاڑی میں آ بیٹھا۔
اس کے تصور میں لبنیٰ مسکرا رہی تھی۔